

سرمایۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی
اسرار کائنات ہے سیرت رسولؐ کی

پھولوں میں ہے ظہور ستاروں میں نور ہے
ذات خدا کی بات ہے سیرت رسولؐ کی

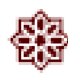
بنجر دلوں کو آپ نے سیراب کر دیا
اک چشمۂ صفات ہے سیرت رسولؐ کی

چشم کلیم ایک تجلی میں بک گیا
جلووں کی واردات ہے سیرت رسولؐ کی

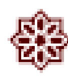
جور و جفا کے واسطے برق ستم سہے
دنیائے التفات ہے سیرت رسولؐ کی

تصویر زندگی کو تکلم عطا کیا
حسن تصورات ہے سیرت رسولؐ کی

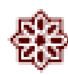
ساغرؔ سرور و کیف کے ساغر چھلک اٹھے
؟



محمدؐ باعث حسن جہاں ایمان ہے میرا
محمدؐ حاصل کون و مکاں ایمان ہے میرا
محمدؐ اوّل و آخر محمدؐ ظاہر و باطن
محمدؐ ہیں بہر صورت عیاں ایمان ہے میرا
شرف اک کملی والے نے جنہیں بخشا ہے قدموں میں
وہ صحرا بن گئے گلستاں ایمان ہے میرا
محبت ہے جسے غارِ حرا میں رونے والے سے
وہ انساں ہے خدا کا راز داں ایمان ہے میرا
معطر کر گئے ساغرؔ فضائے گلشن ہستی
نبیؐ کے گیسوئے عنبر فشاں ایمان ہے میرا



ہے تقدیس شمس و قمر سبز گنبد
متاعِ قرار نظر سبز گنبد
جلال خدائے سمٰوٰت کہیے
کمال جہان بشر سبز گنبد
نگارانِ ہستی چلو! سوئے بطحا
ہے تسکین قلب و جگر سبز گنبد
ذکر مصطفائے کی سطوت نہ پوچھو
جھکاتا ہے شاہوں کے سر سبز گنبد
برستے ہیں راحت کے اسرار ساغر
ہے ظلمت میں فردِ سحر سبز گنبد



جاری ہے دو جہاں پہ حکومت رسولؐ کی
کرتے ہیں مہر و ماہ اطاعت رسولؐ کی

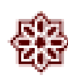
ایمان ایک نام ہے حبّ رسولؐ کا
ہے خلد کی بہار محبت رسولؐ کی

نوک مژہ پہ جن کی رہے اشک کربلا
پائیں گے حشر میں وہ شفاعت رسولؐ کی

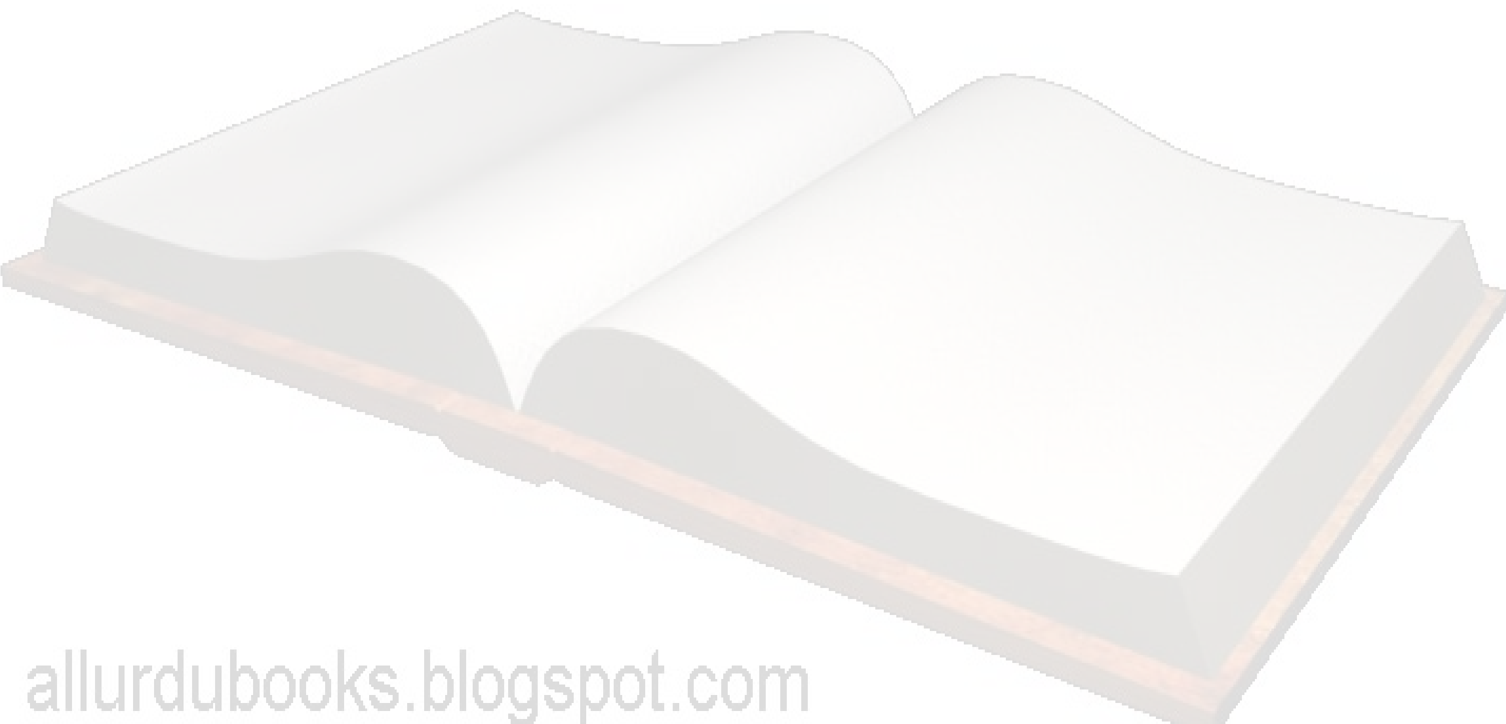
غارِ حرا کو یاد ہیں سجدے رسولؐ کے
دیکھی ہے پتھروں نے عبادت رسولؐ کی

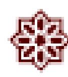
دامانِ عقل و ہوش سہارا نہ دے
چاہت خدا کی بن گئی چاہت رسولؐ کی

ساغر تمام عالم ہستی ہے بے حجاب
آنکھوں میں بس رہی ہے وہ خلوت رسولؐ کی



ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا!
تصورات کی دنیا پہ اک نکھار آیا
کبھی جو گنبد خضرا کی یاد آئی ہے
بڑا سکون ملا ہے بڑا قرار آیا
یقین کر کہ محمدؐ کے آستانے پر
جو بدنصیب گیا ہے وہ کامگار آیا
ہزار شمس و قمر راہ شوق سے گزرے
خیال حسن محمدؐ جو بار بار آیا
عرب کے چاند نے صحرا بسا دیئے ساغرؔ
وہ ساتھ لے تجلی کا اک دیار آیا

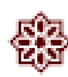




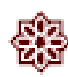
نگاروں کے میلے ستاروں کے جھرمٹ
بہت دلنشیں ہیں بہاروں کے جھرمٹ
جواں ہیں اگر ولولوں کے تلاطم
تو موجوں میں بھی ہیں کناروں کے جھرمٹ
میرے چار تنکوں کی تقدیر دیکھو
چمن در چمن شراروں کے جھرمٹ
تیرے گیسوؤں سے جنم پا رہے ہیں
گلستاں گلستاں نظاروں کے جھرمٹ
چھلکتا رہا ہے میرا جام زریں
مہکتے رہے ہیں چناروں کے جھرمٹ
جہاں جل گئی شمع بزم تمنا

؟

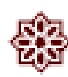
تجھے یاد رکھیں گی ساغر بہاریں
ترے شعر میں گلعذاروں کے جھرمٹ



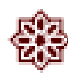
اللہ رے اس چشم عنایات کا جادو
تا عمر رہا حسن ملاقات کا جادو
معلوم نہ تھا سحر گریدان وفا کو
صبحوں کے پس پردہ ہے ظلمات کا جادو
آنکھوں میں رواں کوثر و تسنیم کے منتر
زلفوں میں نہاں شام خرابات کا جادو
آتا ہو جسے رسم محبت کا وظیفہ
چلتا نہیں اس پر غم حالات کا جادو
بربط کا جگر چیر گئی تار کی فریاد
مطرب پر اثر کر گیا نغمات کا جادو
لہرائے وہ گیسو کہ اٹھیں غم کی گھٹائیں
اشکوں کی جھڑی بن گئی برسات کا جادو
ہم ساحر اقلیم سخن بن گئے ساغرؔ
اس ڈھب سے جگایا ہے خیالات کا جادو



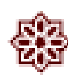
غم کی تصویر غزل کے اشعار
خون کی تحریر غزل کے اشعار
ان سے تدبیر کی شمعیں روشن
سوز تقدیر غزل کے اشعار
داغ کہتے ہیں محبت کے جنھیں
ان کی تنویر غزل کے اشعار
گیسوئے وقت کو سلجھاتے ہیں
درد شبیر غزل کے اشعار
ان میں پیکاں ہیں تری آنکھوں کے
دار و شمشیر غزل کے اشعار
نالہ و شیون و فریاد کی لے
رقص زنجیر غزل کے اشعار
اے غم یار تصور تیرا
تیری توقیر غزل کے اشعار
گل جو رکھتے ہیں خزاں میں ساغر
ان کی تفسیر غزل کے اشعار



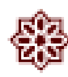
مرے سوز دل کے جلوے ، یہ مکاں مکاں اجالے
مری آہ پُر اثر نے کئی آفتاب ڈھالے
مجھے گردش فلک سے نہیں احتجاج کوئی
کہ متاع جان و دل ہے تری زلف کے حوالے
یہ سماں بھی ہم نے دیکھا سر خاک رُل رہے ہیں
گل و انگبین کے مالک مہ و کہکشاں کے پالے
ابھی رنگ آنسوؤں میں ہے تری عقیدتوں کا
ابھی دل میں بس رہے ہیں تری یاد کے شوالے
مری آنکھ نے سنی ہے کئی زمزموں کی آہٹ
نہیں بربطوں سے کمتر مئے ناب کے پیالے
یہ تجلیوں کی محفل ہے اسی کے زیر سایہ
یہ جہان کیف اس کا جسے وہ نظر سنبھالے
یہ حیات کی کہانی ہے فنا کا ایک ساغر
تو لبوں سے مسکرا کر اسی جام کو لگا لے



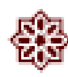
منزل غم کی فضاؤں سے لپٹ کر رو لوں
تیرے دامن کی ہواؤں سے لپٹ کر رو لوں
جام مے پینے سے پہلے مرا جی چاہتا ہے
بکھری زلفوں کی گھٹاؤں سے لپٹ کر رو لوں
زرد غنچوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالوں
سرخ پھولوں کی قباؤں سے لپٹ کر رو لوں
آنے والے ترے رستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے ترے پاؤں سے لپٹ کر رو لوں
اپنے مجبور تقدس کے سہارے ساغرؔ
دیر و کعبہ کے خداؤں سے لپٹ کر رو لوں



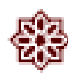
ترے غم کو متاعِ حسنِ انساں کر لیا میں نے
نگارِ آدمیت کو غزل خواں کر لیا میں نے
تڑپ کر سوزِ دل کو جلوہ ساماں کر لیا میں نے
بہت بے نور تھی دنیا چراغاں کر لیا میں نے
کسی کے اک تبسم پر اساسِ زندگی رکھ لی
شراروں کو نشیمن کا نگہباں کر لیا میں نے
اٹھا کر چوم لی ہیں چند مرجھائی ہوئی کلیاں
نہ تم آئے تو یوں جشنِ بہاراں کر لیا میں نے
خدا رکھے یہ عذرِ جور باقی تم نہ شرماؤ
اب آرزوؤں کو پشیماں کر لیا میں نے
ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عریانی
یہ کس امید پر گھر کر بیاباں کر لیا میں نے
کبھی ساغرؔ اگر میں وجد میں آیا جو لہرا کر
تو اپنے ساتھ دنیا کو بھی رقصاں کر لیا میں نے



محبت کے مزاروں تک چلیں گے
ذرا پی لیں! ستاروں تک چلیں گے
سنا ہے یہ بھی رسم عاشقی ہے
ہم اپنے غمگساروں تک چلیں گے
چلو تم بھی! سفر اچھا رہے گا
ذرا اجڑے دیاروں تک چلیں گے
جنوں کی وادیوں سے پھول چن لو
وفا کی یادگاروں تک چلیں گے
حسین زلفوں کے پرچم کھول دیجیے
مہکتے لالہ زاروں تک چلیں گے
چلو ساغرؔ کے نغمے ساتھ لے کر
چھلکتی جوئے باراں تک چلیں گے



ایک نغمہ ، ایک تارا ، ایک غنچہ ایک جام
اے غم دوراں ! غم دوراں تجھے میرا سلام
زلف آوارہ ، گریبان چاک ، گھبرائی نظر
ان دنوں یہ ہے جہاں میں زندگانی کا نظام
چند تارے ٹوٹ کر دامن میں میرے آ گرے
میں نے پوچھا تھا ستاروں سے ترے غم کا مقام
کہہ رہے ہیں چند بچھڑے راہرووں کے نقش پا
ہم کریں گے انقلاب جستجو کا اہتمام
پڑ گئیں پراہن صبح چمن پر سلوٹیں
یاد آ کر رہ گئی ہے بیخودی کی ایک شام
تیری عصمت ہو کہ ہو میری ہنر کی چاندنی
وقت کے بازار میں ہر چیز کے لگتے ہیں دام
ہم بنائیں گے یہاں ساغرؔ نئی تصویر شوق
ہم تخیل کے مجدد ہم تصور کے امام



اگرچہ ہم جا رہے ہیں محفل سے نالۂ دلفگار بن کر
مگر یقین ہے کہ لوٹ آئیں گے نغمۂ نو بہار بن کر

یہ کیا قیامت ہے باغبانو کہ جن کی خاطر بہار آئی
وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بن کر

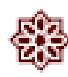
جہاں والے ہمارے گیتوں سے جائزہ لیں گے سسکیوں کا
جہان میں پھیل جائیں گے ہم بشر بشر کی پکار بن کر

بہار کی بدنصیب راتیں بلا رہی ہیں چلے بھی آؤ
کسی ستارے کا روپ لے کر کسی کے دل کا قرار بن کر

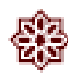
تلاش منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اک عجیب دیکھا
فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے صورت اعتبار بن کر

غرور مستی نے مار ڈالا وگرنہ ہم لوگ جی ہی لیتے
کسی کی آنکھوں کا نور ہو کر کسی کے دل کا قرار بن کر

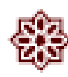
دیارِ پیر مغاں میں آ کر یہ اک حقیقت کھلی ہے ساغؔر
خدا کی بستی میں رہنے والے تو لوٹ لیتے ہیں یار بن کر



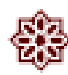
موجزن وقت کے دریا میں نوائے درویش
ہدیۂ چاک صدف دست دعائے درویش
جب کبھی راستہ حالات کا دھند لایا ہے
کام آئی ہے زمانے میں ضیائے درویش
ہر شگوفے کو چٹکنے کی اجازت دیجیے
نغمۂ صبح بہاراں ہے صلائے درویش
آج اسرار شہنشاہی ہیں دیوانوں میں
آج بیدار ہے ذہنوں میں وفائے درویش
ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ساغرؔ کے لیے



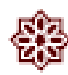
اے چمن والو متاعِ رنگ و بو جلنے لگی!
ہر روش پر نکہتوں کی آبرو جلنے لگی!
پھر لغاتِ زندگی کو دو کوئی حرفِ جنوں
اے خردمندو ادائے گفتگو جلنے لگی
ہر طرف لٹنے لگی ہیں جگمگاتی عصمتیں
عظمتِ انسانیت پھر چار سو جلنے لگی!
دے کوئی چھینٹا شرابِ ارغواں کا ساقیا
پھر گھٹا اٹھی تمنائے سبو جلنے لگی
اک ستارہ ٹوٹ کر معبودِ ظلمت بن گیا
اک تجلی آئینے کے روبرو جلنے لگی
دیکھنا ساغرؔ خرامِ یار کی نیرنگیاں
آج پھولوں میں بھی پروانوں کی خو جلنے لگی



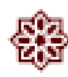
ہر شے ہے پر ملال بڑی تیز دھوپ ہے
ہر لب پہ ہے سوال بڑی تیز دھوپ ہے
چکرا کے گر نہ جاؤں میں اس تیز دھوپ میں
مجھ کو ذرا سنبھال بڑی تیز دھوپ ہے
دے حکم بادلوں کو خیاباں نشیں ہوں میں
جام و سبو اچھال بڑی تیز دھوپ ہے
ممکن ہے ابر رحمت یزداں برس پڑے
زلفوں کی چھاؤں ڈال بڑی تیز دھوپ ہے
اب شہر آرزو میں وہ رعنائیاں کہاں
ہیں گل کدے نڈھال بڑی تیز دھوپ ہے
سمجھی ہے جس سایۂ امید عقل خام!
ساغرؔ کا ہے خیال بڑی تیز دھوپ ہے



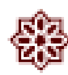
امید کے موتی ارزاں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
پھولوں سے مہکتے داماں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
احساس صفائی پتھر ہے ایمان سلگتی دھونی ہے
بے رنگ مزاج دوراں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
بے نور مروت کی آنکھیں بے کیف عنایت کے جذبے
ہر سمت بدلتے عنواں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
گدڑی کے پھٹے ٹکڑے ساغرؔ اجرام تخیل کیا ڈھانپیں
فریاد کے نقطے حیراں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے



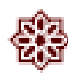
بہار سرو و سمن فسردہ ، گلوں کی نگہت تڑپ رہی ہے
قدم قدم پر الم کدے ہیں ، نگار عشرت تڑپ رہی ہے
شعور کی مشعلیں جلائیں ، اٹھو ستاروں کے ساز چھیڑیں
کرن کرن کی حسین مورت ، بحال ظلمت تڑپ رہی ہے
کبھی شبستاں کے رہنے والو! غریب کی جھونپڑی بھی دیکھو
خزاں کے پتوں کی جھانجنوں میں کسی کی عصمت تڑپ رہی ہے
خیال کی چاندنی ہے پھیکی ، نگاہ کے زاویے ہراساں
ہے شورِ مبہم صفات نغمہ نوائے فطرت تڑپ رہی ہے
وقار یزداں ، نہ حسن انساں ضمیر عالم بدل گیا ہے
کہیں مشیت پہ نیند طاری ، کہیں معیشت تڑپ رہی ہے



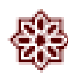
جام ٹکراؤ ! وقت نازک ہے
رنگ چھلکاؤ ! وقت نازک ہے
حسرتوں کی حسین قبروں پر
پھول برساؤ ! وقت نازک ہے
اک فریب اور زندگی کے لیے
ہاتھ پھیلاؤ ! وقت نازک ہے
رنگ اڑنے لگا ہے پھولوں کا
اب تو آجاؤ ! وقت نازک ہے
تشنگی تشنگی ارے توبہ!
زلف لہراؤ !وقت نازک ہے
بزم ساغر ہے گوش بر آواز
کچھ تو فرماؤ ! وقت نازک ہے



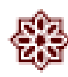
آہن کی سرخ تال پہ ہم رقص کر گئے
تقدیر تیری چال پہ ہم رقص کر گئے
پنچھی بنے تو رفعت افلاک پر اڑے
اہل زمیں کے حال پہ ہم رقص کر گئے
کانٹوں سے احتجاج کیا ہے کچھ اس طرح
گلشن کی ڈال ڈال پہ ہم رقص کر گئے
واعظ! فریب شوق نے ہم کو لبھا لیا
فردوس کے خیال پہ ہم رقص کر گئے
ہر اعتبار حسن نظر سے گزر گئے
ہر حلقہ ہائے جال پہ ہم رقص کر گئے
مانگا بھی کیا تو قطرۂ چشم تصرّفات
ساغرؔ ترے سوال پہ ہم رقص کر گئے



اشک رواں نہیں ہیں ندامت کے پھول ہیں
روٹھے ہوئے بہار سے رحمت کے پھول ہیں
ہیں داغہائے دل کی شبہات لیے ہوئے
شاید یہی ہو باغ محبت کے پھول ہیں
ڈسنے لگی ہیں شاخ تمنا کی کونپلیں!
رسوائیوں کے خار معیشت کے پھول ہیں
رقصاں ہیں رنگ رنگ خیابان زندگی
پنہاں کہانیوں میں حقیقت کے پھول ہیں
دیوانگان کاکلِ ساقی سے مانگیے
وحشت کی وادیوں میں فراست کے پھول ہیں
ایوان گل فشاں کے مکینو ذرا سنو
ان جھونپڑوں میں بھی کہیں فطرت کے پھول ہیں
کہتے ہوئے سنے ہیں سخن آشنائے وقت
ساغر کے شعر بزم لطافت کے پھول ہیں



چمن پہ دام پہ درویش مسکراتا ہے
ہر اک مقام پہ درویش مسکراتا ہے
صراحی بزم میں جب قہقہے اگلتی ہے
سکوت جام پہ درویش مسکراتا ہے
ہزار حشر اٹھا اے تغیر دوراں!
ترے حرام پہ درویش مسکراتا ہے
شفق میں خون شہیداں کا رنگ شامل ہے
فروغ شام پہ درویش مسکراتا ہے
کبھی خدا سے شکایت کبھی گلہ تجھ سے
مذاق عام پہ درویش مسکراتا ہے
ہوس مشیر ہو جس بادشاہ کی ساغر
تو اس غلام پہ درویش مسکراتا ہے



آزاریوں کے نام پہ رسوائیاں ملیں
مشکل سے تیرے درد کی پنہائیاں ملیں

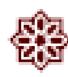
ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصل بہار کا
گلشن میں صرف آغ کی انگڑائیاں ملیں

مجھ کو ملے ہیں قریۂ مہتاب میں گڑھے
تجھ تو پتھروں میں بھی رعنائیاں ملیں

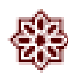
ہم نے انھیں کو صورت جاناں بنا لیا
دیوار آرزو پہ جو پرچھائیاں ملیں

ان پر نثار محفل ہستی کی رونقیں
اے دوست میکدے میں جو تنہائیاں ملیں

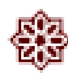
ہر تجربے میں ساغر مے کا جواز ہے
ہر فلسفے میں زلف کی گہرائیاں ملیں



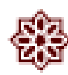
پوچھا کسی نے حال کسی کا تو رو دیے
پانی میں عکس چاند کا دیکھا تو رو دیے
نغمہ کسی نے ساز پہ چھیڑا تو رو دیے
غنچہ کسی نے شاخ سے توڑا تو رو دیے
اڑتا ہوا غبار سر راہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیے
بادل فضا میں آپ کی تصویر بن گئے
سایہ کوئی خیال سے گزرا تو رو دیے
رنگ شفق سے آگ شگوفوں میں لگ گئی
ساغر ہمارے ہاتھ سے چھلکا تو رو دیے



پھول جلتے ہیں ہار جلتے ہیں
چاندنی کے مزار جلتے ہیں
اے مصور یہ کیا تماشا ہے
رنگ سے شاہکار جلتے ہیں
روکیے برقرار کاکل کو
دیکھیے! لالہ زار جلتے ہیں
مدتوں سے ہے سرد میخانہ
دیر سے میگسار جلتے ہیں
تیرے آنچل کی مست چھاؤں میں
بے خودی کے دیار جلتے ہیں
کچھ پتنگے چراغ کی لو پر
کتنے بے اختیار جلتے ہیں
فکر ساغرؔ کی گرمیاں مت پوچھ
اس چتا میں نگار جلتے ہیں



پھولوں کو آگ لگ گئی نغمات جل گئے
سورج کی تیز دھوپ میں لمحات جل گئے
ساقی کی نگہ کرم ہے تعمیر میکدہ
گیسو اڑے چراغ خرابات جل گئے
اب دامن حیات میں کچھ بھی نہیں رہا
فردا کی سردا آگ میں حالات جل گئے
کلیاں چٹک رہی ہیں کہ شاخوں پہ آبلے
غنچوں کی نکہتوں سے مرے ہاتھ جل گئے
اب کے برس بہار بصیرت کو ڈس گئی
فکر و نظر کے جھومتے باغات جل گئے
ساغر لئے ہیں ستارے بجھے بجھے
شاید مرے نصیب کے دن رات جل گئے



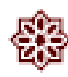
ساقی اک نگاہ کے افسانے بن گئے
کچھ پھول ٹوٹ کر مرے پیمانے بن گئے

کاٹی جہاں تصور جاناں میں ایک شب
کہتے ہیں لوگ اس جگہ بت خانے بن گئے

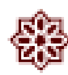
جن پر نہ سایۂ زلف غزالاں کے پڑ سکے
احساس کی نگاہ میں ویرانے بن گئے

جو پی سکے نہ سرخ لبوں کی تجلیاں
دنیا کے تجربات سے انجانے بن گئے

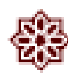
ساغر وہی مقام ہے اک منزل فراز
اپنے بھی جس مقام پر بیگانے بن گئے



آلام کی یورش میں بھی خورسند رہے ہیں
نیرنگیٔ حالات کے پابند رہے ہیں
آفاق میں گونجی ہے مری شعلہ نوائی
نالے مرے افلاک کا پیوند رہے ہیں
ڈالی ہیں تیرے خاک نشینوں نے کمندیں
ہر چند محلّات کے در بند رہے ہیں
ہر دور میں دیکھا ہے مری فکر رسا نے
کچھ لوگ زمانے کے خداوند رہے ہیں
ساغرؔ نہ ملی منزل مقصود خرد کو
ہاں قافلہ سالار جنوں مند رہے ہیں



تڑپ کر سوز دل کو جلوہ ساماں کر لیا میں نے
بت بے نور تھی دنیا چراغاں کر لیا میں
خدا رکھے یہ طرز جور باقی تم نہ شرماؤ
اب اپنی آرزوؤں کو پشیماں کر لیا میں نے
اٹھ کر چوم لی چند مرجھائی ہوئی کلیاں
نہ تم آئے تو یوں جشن بہاراں کر لیا میں نے
کسی کے اک تبسم پر اساس زندگی رکھ لی
شراروں کو نشیمن کا نگہبان کر لیا میں نے
ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عریانی
یہ کس امید پر گھر کر بیاباں کر لیا میں نے
کبھی ساغر بکف میں وجد میں آیا جو لہرا کر
تو اپنے ساتھ دنیا کو بھی رقصاں کر لیا میں نے



بن گئے اشک جفا کی تصویر
کھنچ گئی آج صد کی تصویر

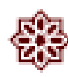
احتیاط دل عاشق لازم
ٹوٹ جاتی ہے وفا کی تصویر

فصل گل اور چٹکتے غنچے
تیری مخمور ادا کی تصویر

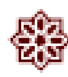
پھر بجا نالہ و شیون کا سرور
رقص کرتی ہے صبا کی تصویر

جگمگاتی ہے غم ہستی کے
رنگ و روغن سے قضا کی تصویر

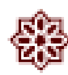
بول اٹھی تری لے میں ساغر
آسمانوں پہ دعا کی تصویر



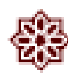
تدبیر کا کاسہ ہے تقدیر گداگر ہے
ایوان سخاوت کی تعمیر گداگر ہے
سو رنگ بھرے اس میں پھر بھی یہ رہی مورت
احساس تصور میں تصویر گداگر ہے
حالات کے دامن میں افلاس تغیر ہے
اس دور میں انسان کی توقیر گداگر ہے
اب شہر بصیرت کی اونچی ہوئی دیواریں
چڑھتے ہوئے سورج کی تنویر گداگر ہے
ہر داغ تمنا ہے کشکول غم ہستی
آہوں سے شکایت ہے تاثیر گداگر ہے
فنکار کی ہر صورت دریوزۂ نغمہ ہے
ساغرؔ در زنداں پر زنجیر گداگر ہے



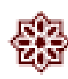
تفریق نے جادو ہی جگایا ہے بلا کا
خطرے میں ہے اے یار چمن مہر و وفا کا
توہین ہے درویش کا اس شہر میں جینا
ہو فاقہ کشی نام جہاں صبر و رضا کا
اب تک کا تفکر غم تقدیر کا چارہ
سینے میں پتہ رکھتے ہیں جو ارض و سما کا
جی چاہتا ہے اے میرے افکار کی مورت
ملبوس بنا دوں تجھے تاروں کی ردا کا
محفوظ رہیں میرے گلستاں کی فضا میں
ہو قتل گل و لالہ تقاضا ہے صبا کا
جلتے ہوئے دیکھے وہی معصوم شگوفے
تھا جن کو بھروسہ ترے دامن کی ہوا کا
کچھ سرد ہی آہیں تو ڈوبتے آنسو!
ساغرؔ یہ صلا تجھ کو ملا سوز نوا کا!



تغیرات سے دنیا سنگار کرتی ہے
یہ چاند توڑ کے جھومر میں رنگ بھرتی ہے
اسی کلی سے ہے تاریخ گلستاں روشن
جو باغباں کے لہو سے ذرا نکھرتی ہے
جسے نہ زہر جنوں کی ذرا سی چاٹ لگے
وہ بے شعور محبت ضرور مرتی ہے
دلوں کے بجھتے چراغوں کو نور دیتی ہے
وہ تیرگی جو تری زلف سے بکھرتی ہے
ہماری جنت تخیل سے گزر جائے
بہار بن کے قیامت اگر گزرتی ہے
طلوع مہر ترے آستاں پہ ہوتا ہے
کرن کرن تیری دہلیز پہ اترتی ہے



تم جو چاہا وہ دنیا بن گئی
دیکھیے! پھولوں کا گجرا بن گئی
رات یوں کچھ مائل نغمہ تھا دل
چاندنی ساز تمنا بن گئی
جب کسی صورت نہ عنواں مل سکا
آرزو بے نام صحرا بن گئی
موج و دریا میں نہیں ہے فرق کچھ
موج لہرائی تو دریا بن گئی
توڑ دیں یا ہم اسے رکھ لیں حضور
زندگی مفلس کا کاسہ بن گئی
مرے جام مے سے اڑ کر ایک چھینٹ
صبح کے ماتھے کا نقشہ بن گئی
زندگی کی بات ساغرؔ کیا کہیں
اک تمنا تھی تقاضا بن گئی



مدعا کچھ نہیں فقیروں کا
درد ہے لا دوا فقیروں کا

اور تو کچھ نہیں صدا بابا
ہو بھلا کر بھلا فقیروں کا

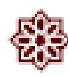
اپنی تنہائیوں پہ ہنستے ہیں
کون ہے آشنا فقیروں کا

منزلوں کی خبر خدا جانے
عشق ہے راہنما فقیروں کا

ایک مدت سے خالی خالی ہے
کاسۂ التجا فقیروں کا

میکدے کی حدود میں ہوں گے
کیا بتائیں پتا فقیروں کا

زلف جاناں کی نکہتیں ساغرؔ
بن گئیں آسرا فقیروں کا



تیرے دامن کی ہوا مانگتے ہیں
ہم بھی جینے کی دعا مانگتے ہیں

مطربو! کوئی اچھوتا نغمہ
ساز آہنگ و صدا مانگتے ہیں

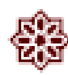
صحن کعبہ کے پجاری مچلے
آستینوں میں خدا مانگتے ہیں

ماہ و انجم کے جھروکے اکثر
کس کے عارض کی دعا مانگتے ہیں

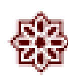
پھر پتنگوں میں خدائی جاگی
شعلۂ حشر نما مانگتے ہیں

بندہ پرور! کوئی خیرات نہیں
ہم وفاؤں کا صلہ مانگتے ہیں

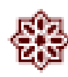
مے کدہ ہو کہ کلیسا ساغرؔ
ساری دنیا کا بھلا مانگتے ہیں



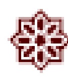
ایسی تجلیاں ہیں کہاں آفتاب میں
انوار خاص ہیں مرے جام شراب میں
یزداں نے مسکرا کے بڑی دیر میں لکھا
اک لفظ آرزو میرے دل کی کتاب میں
اب ذوق دید میں ہے شعور حیات تو
جلووں کو احتیاط سے رکھو کتاب میں
محبوب تیرے حسن سے غنچوں کی آبرو
خوشبو ترے بدن کی بسی ہے گلاب میں
ہے باغباں کی ترچھی نظر اتنی بات پر
شعلوں کا ذکر آگیا شبنم کے باب میں
ساغرؔ کسی کی یاد میں جب اشک بار تھے
کتنے حسین دن تھے جہانِ خراب میں



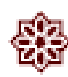
تیری نظر کے اشاروں سے کھیل سکتا ہوں
جگر فروز شراروں سے کھیل سکتا ہوں
تمہارے دامن رنگین کا آسرا لے کر
چمن کے مست نظاروں سے کھیل سکتا ہوں
کسی کے عہد محبت کی یاد باقی ہے
بڑے حسین سہاروں سے کھیل سکتا ہوں
مقام ہوش و خرد انتقام وحشت سے
جنوں کی رہگذاروں سے کھیل سکتا ہوں
مجھے خزاں کے بگولے سلام کرتے ہیں
حیا فروش چناروں سے کھیل سکتا ہوں
شراب و شعور کے دریا میں ڈوب کر ساغر
سرور و کیف کے دھاروں سے کھیل سکتا ہوں



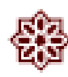
چشم ساقی کی عنایات پہ پابندی ہے
ان دنوں وقت پہ حالات پہ پابندی ہے
بکھری بکھری ہوئی زلفوں کے فسانے چھیڑو
میکشو! عہد خرابات پہ پابندی ہے
دل شکن ہو کے چلے آئے تری محفل سے
تیری محفل میں تو ہر بات پہ پابندی ہے
درد اٹھا ہے لہو بن کے اچھلنے کے لیے
آج تک کہتے ہیں جذبات پہ پابندی ہے
ہر تمنا ہے کوئی ڈوبتا لمحہ ہے
ساز مغموم ہیں نغمات پہ پابندی ہے
کہکشاں بام ثریا کے تلے سوئی ہے
چاند بے رنگ سا ہے رات پہ پابندی ہے
آگ سینوں میں لگی ، ساغر و مینا چھلکے
کوئی کہتا تھا کہ برسات پہ پابندی ہے



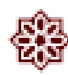
ترے غم کی تلاوت کر رہے ہیں
ستاروں سے شکایت کر رہے ہیں
جنوں کے تجربوں کی نگہداری
بہ اندازِ فراست کر رہے ہیں
ترے شانوں پہ تابندہ نشاطے
بہاروں کی سخاوت کر رہے ہیں
نہ دے ہمت ہمیں مدہوشیوں کی
ذرا پی کر عبادت کر رہے ہیں
سحر کے بعد بھی شمعیں جلاؤ
کہ پروانے شرارت کر رہے ہیں
خداوندانِ گلشن یہ شگوفے
بہاروں سے بغاوت کر رہے ہیں
مرتب غم کے افسانوں سے ساغر
مسرت کی حکایت کر رہے ہیں



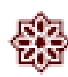
موجیں ہیں اور بادہ گساروں کے قافلے
رقصاں ہیں مست کناروں کے قافلے
تھم تھم کے آ رہی ہیں نگاروں کی نکہتیں
رک رک کے چل رہے ہیں بہاروں کے قافلے
یوں کاروانِ زیست رواں ہے کہ ساتھ ساتھ
افتاد میں ہیں رہگذاروں کے قافلے
پلکوں پہ جم رہی ہے غم زندگی کی اوس
باہوں میں سو گئے ہیں سہاروں کے قافلے
محسوس ہو رہا یہ پھولوں کو دیکھ کر
گھبرا کے سو گئے ہیں شراروں کے قافلے
اے یار تیری زلف پریشاں کو دیکھ کر
بے تاب ہو گئے ہیں چناروں کے قافلے
اے جان انبساطِ تجلی دھائی ہے
آ جا کہ لٹ چلے ہیں ستاروں کے قافلے
ہے صحن آرزو میں لٹی چاندنی کی دھول
ساغرؔ چلے گئے مرے یاروں کے قافلے



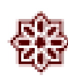
جب تصور میں جام آتے ہیں
آفتابی مقام آتے ہیں
یوں چٹختے ہیں شاخ پر غنچے
جیسے ان کے سلام آ گے ہیں
دل کی نادانیوں پر غور نہ کر
کھوٹے سکے بھی کام آتے ہیں
چند لمحات نوجوانی میں
واجب الاحترام آتے ہیں
منزل عشق میں خرد والے
صرف دو چار گام آتے ہیں
داستان حیات میں ساغر
بے وفاؤں کے نام آتے ہیں



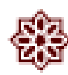
تیری دنیا میں یا رب زیست کے سامان جلتے ہیں
فریب زندگی کی آگ میں انسان جلتے ہیں
دلوں میں عظمت توحید کے دیپک فسردہ ہیں
جبینوں پر دیا و کبر کے سامان جلتے ہیں
ہوس کی باریابی ہے خردمندوں کی محفل میں
روپہلی نکلیوں کی اوٹ میں ایمان جلتے ہیں
حوادث رقص فرما ہیں ، قیامت مسکراتی ہے
سنا ہے ناخدا کے نام سے طوفان جلتے ہیں
شگوفے جھولتے ہیں اس چمن میں بھوک کے جھولے
بہاروں میں نشیمن تو بہر عنوان جلتے ہیں
کہیں پا زیب کی چھن چھن میں مجبوری تڑپتی ہے
ریا دم توڑ دیتی ہے سنہرے دان جلتے ہیں
مناؤ جشن مے نوشی بکھیرو زلف مے خانہ!
عبادت سے تو ساغر دہر کے شیطان جلتے ہیں



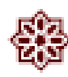
راہزن آدمی راہنما آدمی
با رہا بن چکا ہے خدا آدمی
ہائے تخلیق کی کار پردازیاں
خاک سی چیز کو کہہ دیا آدمی
کھل گئے جنتوں کے وہاں زاچے
دو قدم جھوم کر جب چلا آدمی
زندگی خانقاہ شہود و بقا
اور لوح مزار فنا آدمی
صبحدم چاند کی رخصتی کا سماں
جس طرح بحر میں ڈوبتا آدمی
کچھ فرشتوں کی تقدیس کے واسطے
سہہ گیا آدمی کی جفا آدمی
گونجتی ہی رہے گی فلک در فلک
ہے مشیت کی ایسی صدا آدمی
اس کی مورتیں پوجتے پوجتے
ایک تصویر سی بن گیا آدمی



چاندنی کو رسول کہتا ہوں
بات کو با اصول کہتا ہوں
جگمگاتے ہوئے ستاروں کو
تیرے پاؤں کی دھول کہتا ہوں
جو چمن کی حیات کو ڈس لے
اس کلی کو ببول کہتا ہوں
اتفاقاً تمہارے ملنے کو
زندگی کا حصول کہتا ہوں
آپ کی سانولی سی مورت کو
ذوق یزداں کی بھول کہتا ہوں
جب میسر ہوں ساغر و مینا
برق پاروں کو پھول کہتا ہوں



فریاد کے تقاضے ہیں نغمۂ سخن میں
الفاظ سو گئے ہیں کاغذ کے پیرہن میں
ہر آن ڈس رہی ہیں ماضی کی تلخ یادیں
محسوس کر رہا ہوں بے چارگی وطن میں
ٹکڑا کوئی عطا ہو احرام بندگی کا
سوراخ پڑ گئے اخلاص کے کفن میں
اے پاسبان گلشن تجھ کو خبر نہیں ہے
شعلے بھڑک رہے ہیں پھولوں کی انجمن میں
اے یار تیرے غم سے فرصت اگر ملی تو
تبدیلیاں کروں گا اس عالم کہن میں



زلفوں کی گھٹائیں پی جاؤ
وہ جو بھی پلائیں پی جاؤ

اے تشنہ دہانِ جور خزاں
پھولوں کی ادائیں پی جاؤ

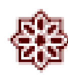
تاریکی دوراں کے مارو
صبحوں کی ضیائیں پی جاؤ

نغمات کا رس بھی نشہ ہے
بربط کی صدائیں پی جاؤ

مخمور شرابوں کے بدلے
رنگین خطائیں پی جاؤ

اشکوں کا مچلنا ٹھیک نہیں
بے چین دعائیں پی جاؤ

احساس کے ٹوٹے ساغر میں
یاروں کی وفائیں پی جاؤ



نظر نظر بیقرار سی ہے نفس نفس پر اسرار سا ہے
میں جانتا ہوں کہ تم نہ آؤ گے پھر بھی کچھ انتظار سا ہے

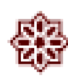
میرے عزیزو! میرے رفیقو! کوئی نئی داستان چھیڑو
غم زمانہ کی بات چھوڑو یہ غم تو اب سازگار سا ہے

وہی فسرد سا رنگ محفل وہی ترا اک عام جلوہ
میری نگاہوں میں با رسا تھا میری نگاہوں میں بار سا ہے

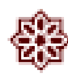
کبھی تو آؤ کبھی تو بیٹھو کبھی تو دیکھو کبھی تو پوچھو
تمہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

چلو کہ جشن بہار دیکھیں کہ ظرف بہار جانچیں
چمن چمن روشنی ہوئی ہے کلی کلی پہ نکھار سا ہے

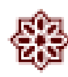
یہ زلف بر دوش کون آیا یہ کس کی آہٹ سے گل کھلے ہیں
مہک رہی ہے فضائے ہستی تمام عالم بہار سا ہے



روشن ہمیں سے منزلِ ہستی کے مرحلے
ہم کارواں کے ساتھ بہت دور تک چلے
اس شامِ غم کے بعد ہے اک ایسا راستہ
جس میں چراغ جلتے ہیں ظلمات کے لیے
اک عہدِ نو بھی اپنا مداوا نہ کر سکا
لطف و عطا کی گود میں جور و ستم چلے
چھیڑیں کسی کے گیسوئے برہم کی داستاں
رنج و الم کی رات کسی طرح تو ٹلے
جلتی رہیں دیارِ محبت کی مشعلیں
کیا جانے آفتابِ تمنا کہاں ڈھلے
پھرتے ہیں لوگ چاک گریبان گلی گلی
مجروحِ زندگی کو لگائے ہوئے گلے
ساغر سلگ رہی ہے شگوفوں کی چاندنی
میرِ چمن کو نکلے ہیں دو چار دل جلے



ہم بیخود و سرشار سدا زندہ رہیں گے
حالات کے میخوار سدا زندہ رہیں گے
کچھ واقف آداب محبت نہیں مرتے
کچھ صاحب اسرار سدا زندہ رہیں گے
احساس کے پھولوں کو خزاں چھو نہیں سکتی
الفت کے چمن زار سدا زندہ رہیں گے
ہے اپنا جنوں عظمت دوراں کی کہانی
عظمت کے طلبگار سدا زندہ رہیں گے
نسبت ہے جہاں میں غم انسان سے جن کو
وہ دیدۂ بیدار سدا زندہ رہیں گے
ہے قصر حقیقت میں ترے دم سے اجالا
ساغرؔ ترے افکار سدا زندہ رہیں گے



رہگذر کے چراغ ہیں ہم لوگ
آپ اپنا سراغ ہیں ہم لوگ

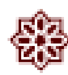
جل رہے ہیں نہ بجھ رہے ہیں دوست
کسی سینے کا داغ ہیں ہم لوگ

خود تہی ہیں مگر پلاتے ہیں
میکدے کے ایاغ ہیں ہم لوگ!

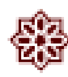
دشمنوں کو بھی دوست کہتے ہیں!
کتنے عالی دماغ ہیں ہم لوگ

چشم تحقیر سے نہ دیکھ ہمیں
دامنوں کا فراغ ہیں ہم لوگ

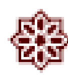
ایک جھونکا نصیب ہے ساغرؔ
اس گلی کے چراغ ہیں ہم لوگ



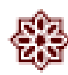
یقین کر کہ یہ کہنہ نظام بدلے گا
مرا شعور مزاج عوام بدلے گا
یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہار ہستی کی
نیا طریق قفس اور دام بدلے گا
نفس نفس میں شرارے سے کروٹیں لیں گے
دلوں میں جذبۂ محشر خرام بدلے گا
مروتوں کے جنازے اٹھائے جائیں گے
سنا ہے ذوق سلام و پیام بدلے گا
دل و نظر کو عطا ہوں گی مستیاں ساغرؔ
یہ بزم ساقی یہ بادہ یہ جام بدلے گا



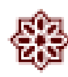
رشکِ خورشید و قمر یاد آیا
شعلہ رخ مست نظر یا د آیا
اشک آنکھوں سے چھلکتے ہی رہے
جب کبھی وہ گل تر یاد آیا
آج کھولی جو بیاض غالب
معدن لعل و گہر یاد آیا
برق چمکی تو نشیمن دیکھا
شاخ ٹوٹی تو ثمر یاد آیا
زخم سینے کے مہک اٹھے ہیں
راحت قلب و جگر یاد آیا
چاند کی سمت جو دیکھا ساغرؔ
اپنے ارماں کا سفر یاد آیا



خطا وار مروت ہو نہ مرہونِ کرم ہو جا
مسرت سر جھکائے گی پرستار الم ہو جا
انہی بے ربط خوابوں سے کوئی تعبیر نکلے گی
انہی الجھی ہوئی راہوں میں میرا ہم قدم ہو جا
کسی زردار سے جنس تبسم مانگنے والے
کسی بیکس کے لاشے پر شریک چشم نم ہو جا
کسی دن ان اندھیروں میں چراغاں ہو ہی جائے گا
جلا کر داغ دل کوئی ضیائے شام غم ہو جا
تجھے سلجھائے گا اب انقلاب وقت کا شانہ
تقاضائے جنوں ہے گیسوئے دوراں کا خم ہو جا
تجسس مرکز تقدیر کا قائل نہیں ہوتا
شعور بندگی بے گانۂ دیر و حرم ہو جا
یہ منزل اور گرد کارواں ساغرؔ کہاں اپنے
سمٹ کر رہگذارِ وقت پر نقش قدم ہو جا



ذرا کچھ اور قربت زیرِ داماں لڑکھڑاتے ہیں
مئے شعلہ فگن پی کر گلستاں لڑکھڑاتے ہیں
تخیل سے گزرتے ہیں تو نغمے چونک اٹھتے ہیں
تصور میں بہ اندازِ بہاراں لڑکھڑاتے ہیں
قرارِ دین و دنیا آپ کی بانہوں میں لرزاں ہیں
سہارے دیکھ کر زلفِ پریشاں لڑکھڑاتے ہیں
تری آنکھوں کے افسانے بھی پیمانے ہیں مستی کے
بنامِ ہوش مدہوشی کے عنواں لڑکھڑاتے ہیں
سنو! اے عشق میں توقیرِ ہستی ڈھونڈنے والو
یہ وہ منزل ہے جس منزل پہ انساں لڑکھڑاتے ہیں
تمہارا نام لیتا ہوں فضائیں رقص کرتی ہیں
تمہاری یاد آتی ہے تو ارماں لڑکھڑاتے ہیں
کہیں سے میکدے میں اس طرح کے آدمی لاؤ
کہ جن کی جنبشِ ابرو سے ایماں لڑکھڑاتے ہیں
یقیناً حشر کی تقریب کے لمحات آ پہنچے
قدم ساغرؔ قریبِ کوئے جاناں لڑکھڑاتے ہیں



ذوق طغیان میں ڈھل کے دیکھ کبھی
موج بن کے اچھل کے دیکھ کبھی

تو صاف تو تو اس سمندر میں
سنگریزے نگل کے دیکھ کبھی

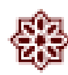
آتش آرزو عجب شے ہے
اس کی ٹھنڈک میں جل کے دیکھ کبھی

خشک صحرا بھی رشک گلشن ہے
اپنے گھر سے نکل دیکھ کبھی

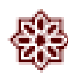
اے گرفتار رہبر و منزل
بے ارادہ بھی چل کے دیکھ کبھی

زندگی کی مٹھاس کے ہمراہ
زہر غم کو نگل کے دیکھ کبھی

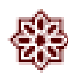
ہے بہاروں کی جستجو ساغرؔ
خار زاروں میں چل کے دیکھ کبھی



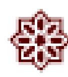
دستور یہاں بھی اندھے ہیں فرمان بھی اندھے ہیں
تقدیر کے کالے کمبل میں عظمت کے فسانے لپٹے رہیں
مضمون یہاں بھی بہرے ہیں عنوان بھی اندھے ہیں
زردار توقع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی محنت پر
مزدور یہان بھی دیوانے ذیشان بھی اندھے ہیں
کچھ لوگ بھروسہ کرتے ہیں تسبیح کے چلتے دانوں پر
بے چین یہاں یزداں کا جنوں انسان بھی اندھے ہیں
بے نام جفا کی راہوں پر کچھ خاک سی اڑتی دیکھی ہے
حیران ہیں دلوں کے آئینے نادان بھی اندھے ہیں
بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نور سویرے ہوتے ہیں
شاعر کا تصور بھوکا ہے سلطان بھی اندھے ہیں



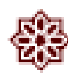
جفا و جور و ستم انتخاب کر لیں گے
تمہاری زلف کے خم انتخاب کر لیں گے
کسی تو کریں دیار دل روشن
چراغ شام عدم انتخاب کر لیں گے
میں سوچتا ہوں یہ فاقوں میں ڈوبتے سورج
فریب ابر کرم انتخاب کر لیں گے
چلے چلو کہ تجسس کا نام ایماں ہے
خدا نہیں تو صنم انتخاب کر لیں گے
جو منزلیں نہ ملیں رہگذار ہستی میں
کسی کا نقش قدم انتخاب کر لیں گے



گل کو شبنم سے آگ لگ جائے
موج کو رم سے آگ لگ جائے
بزم تقدیس کی فضاؤں میں
حسن برہم سے آگ لگ جائے
ایسے زخموں کا کیا کرے کوئی
جن کو مرہم سے آگ لگ جائے
کاش! اے زندگی کی رقاصہ
تیری چھم چھم سے آگ لگ جائے
دل کی بے تاب آہٹوں میں ندیم
زلف برہم سے آگ لگ جائے
چاندنی کے سہاگ میں ساغرؔ
چشم پرنم سے آگ لگ جائے



جو حادثے یہ جہاں میرے نام کرتا ہے
مرا شعور انھیں نذر جام کرتا ہے
ہمارے چاک گریبان سے کھیلنے والو
ہمیں بہار کو سورج سلام کرتا ہے
ہمیں سے قوس قزح کو ملی ہے رنگینی
ہمارے در پہ زمانہ قیام کرتا ہے
یہ میکدہ ہے یہاں کی ہر ایک شے کا حضور
غم حیات بہت احترام کرتا ہے
یہی شراب ، یہی بے نظیر شے ساقی
اسی کا رنگ ہمیں لالہ فام کرتا ہے
فقیہ شہر نے تہمت لگائی ساغر پر
یہ شخص درد کی دولت کو عام کرتا ہے



کچھ کیف سحر ہے نہ مجھے شام کا نشّہ
ہے میرے لیے بادۂ بے نام کا نشّہ!

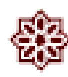
آنکھوں سے چھلکتے ہوئے عرفاں کے ترانے
زلفوں سے برستا ہوا الہام کا نشّہ

ہر گام لرزتے ہوئے تدبیر کے پیکر
تقدیر کی آنکھوں میں ہے آلام کا نشّہ

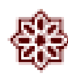
ہر دل میں تڑپتے ہوئے ارماں کی کہانی
پر آنکھ میں خون دل ناکام کا نشّہ

پھر ڈوب گیا گیسوئے جاناں کی مہک میں
دو دن تو رہا گردش ایام کا نشّہ

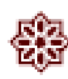
ہیں شیشہ و ساغر کے یہاں رنگ انوکھے
ہے ایک یہاں بادۂ گلفام کا نشّہ



شعلہ سامان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
ہائے انسان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
حسن بت ساز کھلونوں کا پرانا خالق
عشق انجان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
ہم بہرحال حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں
دل ہے نادان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
جو ترے غم کی ندامت نہ اٹھا سکتا ہو
وہ پشیمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
موج گریہ سے لپٹ جاتے ہیں وعدے ان کے
غم کو طوفان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
چشم ساغر کون ہیں خواہش جنت واعظ
ترا ایمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے



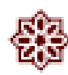
ان بہاروں پہ گلستاں پہ ہنسی آئی ہے
دل کے ہر داغ فروزاں پہ ہنسی آئی ہے
آج پھر جام تہی اور گھٹا اٹھی ہے
آج پھر رحمت یزداں پہ ہنسی آئی ہے
میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھاچھم پہ نہ جا
تیرے ٹوٹے ہوئے پیماں پہ ہنسی آئی ہے
جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مجھ کو اخلاص عزیزاں پہ ہنسی آئی ہے
مجھ کو اک زہر کا چھلکا ہوا ساغر دے دو
مجھ کو اس دور کے انساں پہ ہنسی آئی ہے



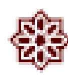
کچھ نہیں مدعا فقیروں کا
درد ہے لا دوا فقیروں کا
اور تو کچھ نہیں صدا بابا
ہو بھلا کر بھلا فقیروں کا

اپنی تنہائیوں پہ ہنستے ہیں
کون ہے آشنا فقیروں کا
منزلوں کی خبر خدا جانے
عشق ہے رہنما فقیروں کا

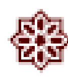
ایک مدت سے خالی خالی ہے
کاسۂ التجا فقیروں کا
میکدے کی حدود میں ہوں گے
کیا بتائیں پتہ فقیروں کا
زلف جاناں کی نکہتیں ساغرؔ
بن گئیں آسرا فقیروں کا



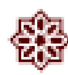
میں التفات یار کا قائل نہیں ہوں دوست
سونے کے نرم تار کا قائل نہیں ہوں دوست
مجھ کو خزاں کی ایک الٹی رات سے ہے پیار
میں رونق بہار کا قائل نہیں ہوں دوست
ہر شام وصل ہو نئی تمہید دلبری
اتنا بھی انتظار کا قائل نہیں ہوں دوست
دو چار دن کی بات نہیں زندگی کی بات
دو چار دن کی پیار کا قائل نہیں ہوں دوست
جس کی جھلک سے ماند ہو اشکوں کی آبرو
اس موتیوں کے ہار کا قائل نہیں ہوں دوست
لایا ہوں بے حساب گناہوں کی ایک فرد
مجبور ہوں شمار کا قائل نہیں ہوں دوست
ساغر بقدر ظرف لٹاتا ہوں نقد جوش
ساقی سے میں ادھار کا قائل نہیں ہوں دوست



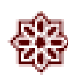
کلیوں کی مہک ہوتا تاروں کی ضیا ہوتا
میں بھی ترے گلشن میں پھولوں کا خدا ہوتا
ہر چیز زمانے کی آئینۂ دل ہوتی
خاموش محبت کا اتنا تو صلہ ہوتا
تم حال پریشاں کی پرسش کے لیے آتے
صحرائے تمنا میں میلہ سا لگا ہوتا
ہر گام پہ کام آئے زلفوں کے تیر سائے
یہ قافلۂ ہستی بے راہنما ہوتا
احساس کی ڈالی پہ اک پھول مہکتا ہے
زلفوں کے لیے تم نے اک روز چنا ہوتا



گدا قناعت کو بیچتے ہیں
خدا کی دولت کو بیچتے ہیں
یہ حسن والے قدم قدم پر
قرار و راحت کو بیچتے ہیں
عجیب ہیں باغباں چمن کے
گلوں کی نکہت کو بیچتے ہیں
وطن میں ایسے بھی رہنما ہیں
مرے قیادت کو بیچتے ہیں
یہ واعظ و پارسا خدایا
تیری فضیلت کو بیچتے ہیں
خرد کا لیتے ہیں نام ساغرؔ
جنوں کی عظمت کو بیچتے ہیں



پریشاں عکس ہستی آئینہ بے نور دیکھا ہے
مری آنکھوں نے افسردہ چراغ طور دیکھا ہے
سرور و کیف کا معیار اپنی ذات ہے ساقی
شراب درد سے ہر جام کو معمور دیکھا ہے
بڑی مدت سے آشفتہ امیدیں یاد کرتی ہیں
کہیں سے بزم میں یارو دل مجبور دیکھا ہے
یہ دستور وفا صدیوں سے رائج ہے زمانے میں
صدائے قرب دی جن کو انھی کو دور دیکھا ہے
کہیں لخت جگر کھانے سے ساغر بھوک مٹتی ہے
لہو کے گھونٹ پی کر بھی کوئی مخمور دیکھا ہے



گل ہوئی شمع شبستاں چاند تارے سو گئے
موت کے پہلو میں شام غم کے مارے سو گئے

بے قراری میں بھی اکثر دردِ مندانِ جنوں
اے فریب آرزو تیرے سہارے سو گئے

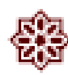
کاروبار گرمی دوراں کی ٹھنڈی راکھ میں
اے شگوفوں کے خداوند! شرارے سو گئے

دے رہی ہے آج بھی موج حوادث لوریاں
شورش طوفاں سے گھبرا کے کنارے سو گئے

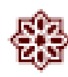
جن سے نغمے تھے وفاؤں کے سراپا زندگی
وہ محبت کی تلاوت کے اشارے سو گئے

کیا نہیں معلوم تجھ کو اے مرے مغموم دل
جن سے نظریں تھیں شگفتہ وہ نظارے سو گئے

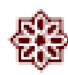
جن کے دم سے بزم ساغر تھی حریف کہکشاں
اے شب ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سو گئے



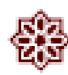
نہ جانے محتسب کیوں میکدے کا نام دیتے ہیں
جہاں کچھ آدمی کرتے ہیں اپنے درد کا چارا
تیرے گیسو خیالوں کی گرفت ناز سے گزرے
کہ جیسے ایک جوگی بن میں لہراتا ہے دو تارا
پلٹ آئے ہیں شاید انقلاب دید کے لمحے
نظر کی وسعتوں میں ڈوبتا جاتا ہے نظارا
فقط ایک ہات میں ٹوٹا ہوا ساغر اٹھانے سے
لرز اٹھا ہے اے یزداں ! تری عظمت کا مینارا



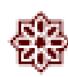
نالہ حدودِ کوئے رسا سے گزر گیا
اب دردِ دل علاج و دوا سے گزر گیا
ان کا خیال بن گئیں سینے کی دھڑکنیں
نغمہ مقامِ صوت و صدا سے گزر گیا
اعجازِ بے خودی ہے کہ یہ حسنِ بندگی
اک بت کی جستجو میں خدا سے گزر گیا
انصاف سیم و زر کی تجلی نے ڈس لیا
ہر جرم احتیاجِ سزا سے گزر گیا
الجھی تھی عقل و ہوش میں ساغرؔ رہِ حیات
میں لے کے تیرا نام فنا سے گزر گیا



میں تلخیٔ حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا
اتنی دقیق شے کوئی کیسے سمجھ سکے
یزداں کے واقعات سے گھبرا کے پی گیا
چھلکے ہوئے تھے جام پریشان تھی زلف یار
کچھ ایسے حادثات سے گھبرا کے پی گیا
میں آدمی ہوں ، کوئی فرشتہ نہیں حضور
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا
دنیائے حادثات ہے اک دردناک گیت
دنیائے حادثات سے گھبرا کے پی گیا
کانٹے تو خیر کانٹے ہیں ان سے گلہ ہے کیا
پھولوں کی واردات سے گھبرا کے پی گیا
ساغرؔ وہ کہہ رہے تھے کہ پی لیجئے حضور
ان کی گزارشات سے گھبرا کے پی گیا!



نہ کشتیوں نہ کناروں کا احترام کرو
فقط بھنور کے اشاروں کا احترام کرو
یہیں سے گزرے گا اک روز کاروانِ بہار
فسردہ راہگذاروں کا احترام کرو
جو ہو سکے تو بدل دو نوشتۂ تقدیر
نہ ہو سکے تو ستاروں کا احترام کرو
خزاں کی گود میں بھی پھول مسکرا اٹھیں
کچھ اس طرح سے بہاروں کا احترام کرو
نشاط و کیف کی دنیا میں جھومنے والو
کبھی تو اجڑے دیاروں کا احترام کرو
یہی ہے ذوق عبادت کی انتہا ساغرؔ
غم حیات کے ماروں کا احترام کرو



بگڑا جو نقش زیست بنا شاہکار زیست
ایسے مٹے کہ بن گئے پروردگارِ زیست

حادثات نو کی صراحی سے ایک جام
ساقی کو دو ، اترنے لگا ہے خمار زیست

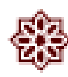
کچھ اس طرح سے زیست کو اپناؤ دوستو
تا حشر موت کو بھی رہے انتظار زیست

اٹکی ہوئی ہے نوک مژہ پر لہو کی بوند
کانٹوں میں مل رہی ہے عروس بہار زیست

حلاج کو قبول تھی سولی رقیب کی
منصور زیست کے لیے کافی ہے دار زیست

لائیں غزل کے شہر سے تشبیہ کے چراغ
اے ہم سخن ! چلو کہ سجائیں دیار زیست

ساغرؔ کی زندگی پہ کوئی تبصرہ نہ کر
اک شمع جل رہی ہے سر راہ گذار زیست



زندگی کا رنگ دینا ہے تری بیداد کو
سرخیِ خونِ تمنا چاہیے فرہاد کو

نامکمل ہیں ابھی مظلوم کی رسوائیاں
پھر ذرا ترتیب دیجئے ظلم کی روداد کو

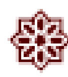
یہ حسین پلکوں کے جھولے اور اشک آرزو
مسکرا کر پالتا ہوں درد کی اولاد کو

دام کے حلقے لگائے تھے وہیں صیاد نے
صید نے معصوم سمجھا تھا جہاں صیاد کو

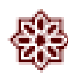
میرے خونِ آرزو سے زندگی کی آبرو
میں نے رنگیں کر دیا ہے عالمِ ایجاد کو

جستجو پھر بھی ترے غم کی رہی احساس کو
در بدر لے کر پھرا ہوں اس دلِ ناشاد کو

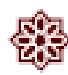
راہرو ساغرؔ کسی سے دل لگاتے ہیں کہاں
منزلوں پر چھوڑ دیں گے راستے کی یاد کو



میرے تصورات میں تحریریں عشق کی
زندانی خیال ہوں زنجیریں عشق کی
تعبیر حسن ہے دل مجروح کا لہو
چھینٹے پڑے تو بن گئیں تصویریں عشق کی
داغ فراق وفا اشک خوں فشاں
رازِ ازل سے ہیں یہی جاگیریں عشق کی
شام خزاں کو صبح بہاراں بنا دیا
ترتیب زیست بن گئیں تعزیریں عشق کی
ساغرؔ جہان شوق میں دیکھی ہیں جاوداں
اہل نظر کے سامنے تفسیریں عشق کی



مرے چمن میں بہاروں کے پھول مہکیں گے
مجھے یقین ہے شراروں کے پھول مہکیں گے
کبھی تو دیدۂ نرگس میں روشنی ہو گی
کبھی تو اجڑے دیاروں کے پھول مہکیں گے
تمہاری زلف پریشاں کی آبرو کے لیے
کئی ادا سے چناروں کے پھول مہکیں گے
چمک ہی جائے گی شبنم لہو کی بوندوں سے
روش روش یہ ستاروں کے پھول مہکیں گے
ہزاروں موج تمنا صدف اچھالے گی
تلاطموں سے کناروں کے پھول مہکیں گے
یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہار کی ساغر
جگر فروز اشاروں کے پھول مہکیں گے



وقار انجمن ہم سے فروغ انجمن ہم ہیں
سکوت شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں

ہمیں سے گلستاں کی بجلیوں کو خاص نسبت ہے
بہاریں جانتی ہیں رونق صبح چمن ہم ہیں

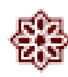
زمانے کو نہ دے الزام اے ناواقف منزل
زمانے کی نظر ہم سے زمانے کا چلن ہم ہیں

قریب و دور کی باتیں نظر کا وہم ہیں پیارے
یقین رہنما ہم سے فسونِ راہزن ہم ہیں

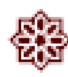
طلوع آفتاب نو ہمارے نام پر ہو گا
وہ جن کی خاک کے ذرے ہیں خورشید وطن ہم ہیں

بہر صورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنون کی سادگی ہم ہیں خرد کا بانکپن ہم ہیں

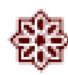
ہمارے ہاتھ میں ہے ساغر فردا ادھر دیکھو
ادھر دیکھو! حریف گردش چرخ کہن ہم ہیں



وہ عزم ہو کہ منزل بیدار ہنس پڑے
ہر نقش پا پہ جرأت رہوار ہنس پڑے
اب کے برس بہار کی صورت بدل گئی
زخموں کو آگ لگ گئی گلزار ہنس پڑے
اس داستان درد کی تمہید آپ ہیں
جس داستان درد پہ غم خوار ہنس پڑے
حیران ہو رہی ہے شگوفے پہ چاندنی
شاید قفس پہ آج گرفتار ہنس پڑے
لٹ جائے تیرے نام سے ہر تلخی جفا
وہ کام کر کہ بے کس و نادار ہنس پڑے
میرے جنوں نے آج وہ سجدہ ادا کیا
بت خانہ حیات کے آثار ہنس پڑے
پھر شادماں ہوئے ہیں خرابے حیات کے
ساغر کسی کے گیسوئے خمدار ہنس پڑے



اے دیوارو کچھ تو بولو
چھوٹی چپ کے بندھن کھولو
شاید کوئی قلزم نکلے
صحراؤں کی جیب ٹٹولو
ان کا وعدہ صبح کا تارا
یہ چنگاری من میں چبھولو
اس شب کی مجروح سحر تک
جلتے رہنا دل کے پھپھولو
رات کا پنچھی کہتا جائے
دن چڑھ آیا آنکھیں کھولو
پھول کھلیں برسات میں جیسے
آج ذرا ہنس ہنس کے رو لو
سادہ پانی مے بن جائے
ساغرؔ کے اشعار کو گھولو



ہنس نہیں سکتے شگوفے تازگی سے روٹھ کر
ہم زمانے میں جئے ہیں زندگی سے روٹھ کر

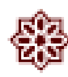
زلف جاناں سے ملی فکر و نظر کی چاندنی
ظلمتیں ہم نے نکھاریں روشنی سے روٹھ کر

خود منانے کے لیے آئے مجھے دیر و حرم
سجدۂ الہام پایا بندگی سے روٹھ کر

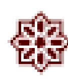
غم سے رونق ہو گئی کاشانۂ تقدیر میں
مطمئن ہے دل کی دنیا ہر خوشی سے روٹھ کر

ایک دن ساقی یہی ٹوٹے ہوئے جام و سبو
مے کدے ترتیب دیں گے تشنگی سے روٹھ کر

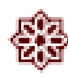
سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پر شام و سحر
جائیں گے ساغرؔ کہاں ان کی گلی سے روٹھ کر



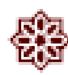
ہیں کتنی ساز گار زمانے کی تلخیاں
تو ہے تو پُر بہار زمانے کی تلخیاں
میں تلخیوں کے سائے میں پل کر جواں ہوا
ہیں میری غمگسار زمانے کی تلخیاں
اے رہروِ حیات ذرا جام تو اٹھا
بن جائیں گی قرار زمانے کی تلخیاں
جو ہو سکا نہ واقف آداب میکدہ
کرتا رہا شمار زمانے کی تلخیاں
تم ساتھ ہو تو جانِ وفا میرے واسطے
پھولوں کی رہگوار زمانے کی تلخیاں
دیکھی ہیں بارہا مری چشم شعور نے
انسان کا وقار زمانے کی تلخیاں
ساغرؔ یہی بلندی و پستی کا راز ہیں
تقدیس روزگار زمانے کی تلخیاں



ہر شگوفہ ستاں کی صورت ہے
موسم گل خزاں کی صورت ہے
لمحہ لمحہ ہے بوجھ سینے میں
وقت سنگ گراں کی صورت ہے
ہے ورائے قرار آنسو بھی!
درد اک مہرباں کی صورت ہے
راستے رہنمائے دیدہ و دل
زندگی کارواں کی صورت ہے
ذوق تدبیر ہو تو ہر ذرہ
جلوۂ کہکشاں کی صورت ہے
ہائے دستور محفل ہستی
خامشی بھی زیاں کی صورت ہے
زندگانی ہے گوش بر آواز
آدمی داستاں کی صورت ہے
میرے اشعار سن کے فرمایا
ایک یہ بھی فغاں کی صورت ہے
اپنا ویرانۂ الم ساغر
ان دنوں گلستاں کی صورت ہے



ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر
ایسا ایک سنگ جو تالیف رہ و منزل ہو
منزلیں ڈھونڈ کے آئے ہیں تمہاری خاطر
کتنی ناکام امیدوں کے دیئے پچھلے پہر
ہم نے دریا میں بہائے ہیں تمہاری خاطر
عہد روشن کے سخنور نہ بھلائیں گے کبھی
ہم وہ سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نہ چاہیں گے کبھی تخت جم و خسرو کے
ہم نے ارمان لٹائے ہیں تمہاری خاطر
ہم وہاں تھے کہ جہاں ساغر و ساقی تھے مدام
دوستو! لوٹ کے آئے ہیں تمہاری خاطر



وقت کے رنگین گلدستے کو یاد آئے گا ٹھنڈا ہاتھ
جب بکھیریں گے وہ گیسو تو مر جائے گا ٹھنڈا ہاتھ

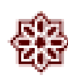
بھیگی پلکیں سوچ کی الجھن دامن تھامے پوچھ رہی ہیں
کب تلک تارِ گریباں یارو سلجھائے گا ٹھنڈا ہاتھ

سازِ تغزل چھیڑنے والو اے افسانے لکھنے والو
آج لکیروں کی تفسیریں دہرائے گا ٹھنڈا ہاتھ

گرم لہو کی بوندیں بوئیں تنہائی کی مٹی ڈالیں
پت جھڑ آئے ان شاخوں پر اُگ آئے گا ٹھنڈا ہاتھ

پتھر پتھر جوت جلے گی ساحل ساحل شعلے ہوں گے
بھیگی بھیگی سرد ہوا میں شرمائے گا ٹھنڈا ہاتھ

باغ کے مالی میرے غنچے غیروں نے پامال کیے
پھر بھی تیری پھلواری کو مہکائے گا ٹھنڈا ہاتھ



وقت کی عمر کیا بڑی ہو گی
اک ترے وصل کی گھڑی ہو گی

دستکیں دے رہی ہے پلکوں پر
کوئی برسات کی جھڑی ہو گی

کیا خبر تھی کہ نوک خنجر بھی
پھول کی ایک پنکھڑی ہو گی

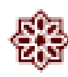
زلف بل کھا رہی ہے ماتھے پر
چاندنی سے صبا لڑی ہو گی

اے عدم کے مسافرو! ہشیار
راہ میں زندگی کھڑی ہو گی

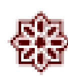
کیوں گرہ گیسوؤں میں ڈالی ہے
جاں کسی پھول کی اڑی ہو گی

التجا کا ملال کیا کیجئے
ان کے در پر کہیں پڑی ہو گی

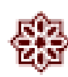
موت کہتے ہیں جس کو اے ساغرؔ
زندگی کی کوئی کڑی ہو گی!



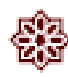
ہر تمنا کو لہو کرتے چلیں
احترام رنگ و بو کرتے چلیں
بے خودی کی نذر کر دیں زندگی
بیعت جام و سبو کرتے چلیں
جس زبان میں بیکسوں کی بات ہو
اس زباں میں گفتگو کرتے چلیں
یہ گھٹاؤں سے برستی مستیاں
گر اجازت ہو وضو کرتے چلیں
کھو کے کچھ پانا یہاں دشوار ہے
احتیاطاً جستجو کرتے چلیں!
فکر ساغر کی اداؤں میں بیاں
داستانِ آرزو کرتے چلیں



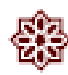
میرے چمن میں جہاں کو یہ سرفرازی ہے
ہر اک پھول نئی زندگی کا غازی ہے
بہار میں بھی سلگتے رہے ، میں کاشانے
کہ یہ بھی ایک طرح کی شہ طرازی ہے
میں اس مقام پہ تجھ کو تلاش کرتا ہوں
حقیقتوں کا تصرف جہاں مجازی ہے
خدا کے نام پہ پہلا سبو اٹھاتے ہیں
مے کشوں میں رسم پاکبازی ہے
تمہاری زلف پریشاں کو دام کہہ دینا
بڑا حسین طریق فغاں نوازی ہے
روش روش پہ ہیں برق و شرر کے ہنگامے
مجھے یقیں ہے بہاروں کی کارسازی ہے
لکھو! یہ عظمت ہستی کے باب میں ساغر
کہ غزنوی کی جلالت غم ایازی ہے



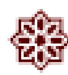
بازار آرزو کی لوا ، دام چڑھ گئے
ہر چیز قیمتوں سے سوا ، دام چڑھ گئے
ہے غازۂ بہارے محروم ان دنوں
مخمور گیسوؤں کی گھٹا ، دام چڑھ گئے
اب قرض مے بحال ہو ، مشکل سے دوستو
کہتی ہے میکدے کی فضا ، دام چڑھ گئے
بے چین سرخ لبوں کی وضاحتیں
ہیں نکہتوں سے رنگ خفا ، دام چڑھ گئے
مریخ اور زہرہ ، کئی قیمتوں کے نام
نظروں نے مسکرا کے کہا ، دام چڑھ گئے
ہر ماہ لٹ رہی ہے غریبوں کی آبرو
چڑھنے لگا ہلال قضا ، دام چڑھ گئے
ہے احتساب زیست کی لٹکی ہوئی صلیب
ہر روز جیسے روز جزا ، دام چڑھ گئے
نقد خرد سرور تمنا کا مول ہے
ارماں کا رنگ زرد ہوا ، دام چڑھ گئے
اے وقت مجھ غیرت انساں کی بھیک دے
روٹی میں بک گئی ہے ردا ، دام چڑھ گئے



وسعت گیسوئے جاناں سے الجھ بیٹھے ہیں
صورت گردش دوراں سے الجھ بیٹھے ہیں
مدحت بادۂ انگور کی خاطر ساقی!
رند اک صاحب ایماں سے الجھ بیٹھے ہیں
چند نغمے جو مرے ساز جنوں نے چھیڑے
مستی چشم غزالاں سے الجھ بیٹھے ہیں
آج گمنامی احساس کا پرچم لے کر
آدمی شہرت یزداں سے الجھ بیٹھے ہیں
ایسے کچھ لوگ جنھیں صاحب اخلاص کہیں
پھر مرے حال پریشاں سے الجھ بیٹھے ہیں
نکہتیں صحن گلستاں سے خبر لائی ہیں
پھول آداب گلستاں سے الجھ بیٹھے ہیں
کچھ پتنگے کہ عطا ہے جنہیں شعلوں کا مزاج
رونق شام غریباں سے الجھ بیٹھے ہیں



ہے فغان لالہ و گل مست نظاروں کے ساتھ
بجھ رہی ہے تشنگی پھولوں کی انگاروں کے ساتھ
آئے گا شاید عزیز مصر بکنے کے لیے
آج خود یوسف کو دیکھا ہے خریداروں کے ساتھ
ہر قدم پر زندگی کی آبرو خطرے میں ہے
ظلمتوں کے قافلے دیکھے ہیں مہ پاروں کے ساتھ
مفلسوں پر ہنس رہی ہیں عظمتیں ابلیس کی
اور خدا کی رحمتیں منسوب زرداروں کے ساتھ
سر برہنہ عابدہ کمخواب و ریشم کے بغیر
ناچتی ہے عاصمہ سکّوں کی جھنکاروں کے ساتھ
نغمۂ بلبل نہیں تو نالۂ دل ہی سہی
ملتے جلتے ہیں بیاباں بھی چمن زاروں کے ساتھ



متاع کوثر و زمزم کے پیمانے تری آنکھیں
فرشتوں کو بنا دیتی ہیں دیوانے تری آنکھیں

جہان رنگ و بو الجھا ہوا ہے ان کے ڈوروں میں
لگی ہیں کاکل تقدیر سلجھانے تری آنکھیں

اشاروں سے دلوں کو چھیڑ کر اقرار کرتی ہیں
اٹھاتی ہیں بہارِ نو کے نذرانے تری آنکھیں

وہ دیوانے زمام لالہ و گل تھام لیتے ہیں
جنہیں منسوب کر دیتی ہیں ویرانے تری آنکھیں

شگوفوں کو شراروں کا مچلتا روپ دیتی ہے
حقیقت کو بنا دیتی ہے افسانے تری آنکھیں



مول اگر بک جائے ہستی
جنس محبت پھر بھی سستی

میں بھی چپ ہوں تو بھی چپ
دنیا ہے پتھر کی بستی

مست خلائیں ، میرے سجدے
کرتا ہوں آفاق پرستی

درد میں جینا اپنی ہمت
آگ میں جلنا کس کی ہستی

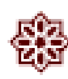
اپنی بادہ خون وفا ہے
اپنی بوتل ، فاقہ مستی

چہروں کو بدنام نہ کر دے
آئینوں کی چیرہ دستی

کون بلندی سے ٹکرایا
چیخ اٹھی ہے ساغر پستی



مٹ گئیں روشنی میں تحریریں
جل گئیں چاندنی میں تصویریں
ہائے وہ تیرے عنبریں گیسو
لے اڑے زندگی کی تفسیریں
سرخ کنگن کلائیوں میں ملے
مل گئیں دو جہاں کی تقدیریں
رسم فرہاد پھر کریں زندہ!
آؤ پھر پتھروں کے دل چیریں
اے مریض الم تسلی رکھ!
چارہ گر کر رہے ہیں تدبیریں
ہاں اچھالو حیات کے ساغر
صبح محشر میں اور تاخیریں



وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

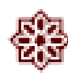
یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

بندہ پرور! جو ہم پہ گذری ہے
ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو

آج ہم بھی تیری وفاؤں پر
مسکرائیں تو کیا تماشا ہو

تیری صورت جو اتفاق سے ہم
بھول جائیں تو کیا تماشا ہو

وقت کی چند ساعتیں ساغرؔ
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو



ہر تمنا کا چہرہ شفق فام تھا
وقت کے ہاتھ میں امن کا جام تھا

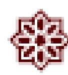
زندگی کی صراحی میں تھے قہقہے
ہر ستارہ یہاں میرا ہم کام تھا

موسم گل میں نغمات جلتے رہے
غنچہ غنچہ لیے درد کا جام تھا

میری آنکھیں سرور تمنا لیے
تیری زلفوں میں بھی کیف ابہام تھا

یہ بھی دیکھا گلستاں کے آئین میں
صید کا زخم صیاد کا دام تھا

فکر ساغرؔ سے زندہ رہی زندگی
کس قدر سرد احساس کا لام تھا



زندگی رقص میں ہے جھومتی ناگن کی طرح
دل کے ارمان ہیں بجتی ہوئی جھانجن کی طرح

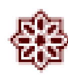
زلف رخسار پہ بل کھائی ہوئی کیا کہنا
اک گھٹا چھائی ہوئی چیت میں ساون کی طرح

بحر امید میں جب کوئی سہارا نہ ملا
میں نے ہر موج کو دیکھا ترے دامن کی طرح

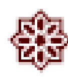
جس طرف دیکھیے ٹوٹے ہوئے پیمانے ہیں
اب تو نغمات بھی ہیں نالہ و شیون کی طرح

بارہا گردش تقدیر کا عالم دیکھا
گیسوئے یار کی بے نام سی الجھن کی طرح

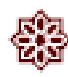
انقلابات بہاراں ہیں قفس بھی ساغرؔ
میں نے جلتے ہوئے دیکھا ہے نشیمن کی طرح



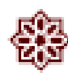
یارب تیرے جہان کے کیا حال ہو گئے
کچھ لوگ خواہشات کے دلّال ہو گئے
تپتی رہی ہے آس کی کرنوں پہ زندگی
لمحے جدائیوں کے مہ و سال ہو گئے
بھولی ہے انگ انگ کو دنیا کی زندگی
نغمے ربابِ وقت کے بے تال ہو گئے
وحشت میں اپنے تار گریباں ہی دوستو
الجھے تو ہر قدم پہ گراں جال ہو گئے
ساغرؔ جو کلا کھلے تھے وہ غنچے کہاں گئے
ہنگامۂ بہار میں پامال ہو گئے



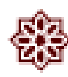
متاع دل سے خالی ہو گئے ہیں
ترے در کے سوالی ہو گئے ہیں
نظر مجروح نظاروں سے دیکھی
حوادث کچھ خیالی ہو گئے ہیں
چلو اے بلبلو اس گلستاں سے
یہاں صیاد مالی ہو گئے ہیں
تمہارے گیسوؤں کی تیرگی سے
اندھیرے بھی جمالی ہو گئے ہیں
ہمارے داغ دل کے ترجماں ہیں
ستارے میر و حالی ہو گئے ہیں
ہزاروں ولولے ساغرؔ چمن میں
خزاں کی خشک ڈالی ہو گئے ہیں



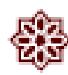
موج در موج کناروں کو سزا ملتی ہے
کوئی ڈوبے تو سہاروں کو سزا ملتی ہے
میکدے سے جو نکلتا ہے کوئی بے نشّہ
چشم ساقی کے اشاروں کو سزا ملتی ہے
آپ کی زلف پریشاں کا تصور توبہ
نکہت و نور کے دھاروں کو سزا ملتی ہے
جب وہ دانتوں میں دباتے ہیں گلابی آنچل
کتنے پر کیف نظاروں کو سزا ملتی ہے
میرے پیمانے میں ڈھل جاتا ہے پھولوں کا شباب
میرے ساغر میں بہاروں کو سزا ملتی ہے



مانگی ہے اس دیار میں دونوں جہاں کی بھیک
لیکن ملی ہمیں دل ناکاماں کی بھیک
ایسے بھی راہ زیست میں آئے کئی مقام
مانگی ہے پائے شوق نے عزم جواں کی بھیک
بے نور ہو گئی ہیں ستاروں کی بستیاں!
ساقی عطا ہو بادۂ شعلہ فشاں کی بھیک
خود بک گئے حیات کی نیلام گاہ میں
وہ بانٹتے تھے جو کبھی کون و مکاں کی بھیک
دو چار پتیوں پہ ہے رنجش بہار سے
سائل نے مانگ لی ہے کہاں گلستاں کی بھیک
اللہ ان کے نقش کف پا کی خیر ہو!
ذروں کو دے گئے جو مہ و کہکشاں کی بھیک
ساغرؔ خوشا کہ گوہر امید پا لیا
قسمت سے ہات آئی غم دوستاں کی بھیک



محبت مستقل غم ہے محبت غم کا گہوارہ
جو آنسو رنگ لے آئے وہی دامن کا شہ پارہ
جسے ارماں کا خوں دے کر بنام آرزو سینچا
خدا جانے کہاں ہے وہ جہانِ زندگی آرا
مرا ذوق خریداری ہے اک جنس گراں مایہ
کبھی پھولوں کی شیدائی کبھی کانٹوں کا بنجارہ
جہاں منصب عطا ہوتے ہیں بے فکر و فراست بھی
وہاں ہر جستجو جھوٹی وہاں ہر عزم ناکارہ
بسا اوقات چھو لیتی ہے دامن کبریائی کا
تمہاری جنبش ابرو میری تخلیق آوارہ
نہ جانے محتسب کیوں میکدے کا نام دیتے ہیں
جہاں کچھ آدمی کرتے ہیں اپنے درد کا چارہ



ہے دعا یاد مگر حرف دعا یاد نہیں!
میرے نغمات کو انداز نوا یاد نہیں

میں نہیں پلکوں سے در یار پہ دستک دی ہے!
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

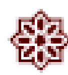
میں نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سر شام کسی کی آنکھیں
کیسے تھرائی چراغوں کی ضیا یاد نہیں

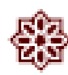
صرف دھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا ، کون ہوا کس سے خفا یاد نہیں

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

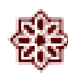
آؤ اک سجدہ کریں عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں



عطا جسے تیرا عکس و جمال ہوتا ہے
وہ پھول سارے گلستاں کا لال ہوتا ہے
تلاش کرتی ہے سائے تمہارے آنچل کے
چمن میں بادِ صبا کا یہ حال ہوتا ہے
رہ مجاز میں ہیں منزلیں حقیقت کی
مگر یہ اہل نظر کا خیال ہوتا ہے
یہ واردات بھی اب دل پہ روز ہوتی ہے
مسرتوں میں بھی ہم کو ملال ہوتا ہے
بہار فطرت صیاد کی کہانی ہے
کہ اس دوش پہ پھولوں کا جال ہوتا ہے
یہ بکھرے بکھرے سے گیسو تھکی تھکی آنکھیں
کہ جیسے کوئی گلستاں نڈھال ہوتا ہے
جواب دے نہ سکیں جس کا دو جہاں ساغر
کسی غریب کے دل کا سوال ہوتا ہے



سرِ مقتل ہمیں نغمات کی تعلیم دیتے ہیں!
یہاں اہلِ نظر ظلمات کی تعلیم دیتے ہیں
یہاں کلیاں مہکتی ہیں مگر خوشبو نہیں ہوتی
شگوفے برملا آفات کی تعلیم دیتے ہیں
یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں زرتابی قباؤں میں
سحر کا نام لے کر رات کی تعلیم دیتے ہیں
یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں عرفانِ بہاراں سے
جو پھولوں کو نئے جذبات کی تعلیم دیتے ہیں
ہمیں زیبا نہیں دیتا رہ دشوار کا منظر
کہ صحراؤں میں بھی برسات کی تعلیم دیتے ہیں
جہاں ساغرؔ شراب زندگی ایک زہر قاتل ہے
یقین والے وہاں خدشات کی تعلیم دیتے ہیں



کیا سماں تھا بہار سے پہلے
غم کہاں تھا بہار سے پہلے

ایک ننھا سا آرزو کا دیا
ضوفشاں تھا بہار سے پہلے

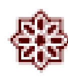
اے مرے دل کے داغ تو ہی بتا
تو کہاں تھا بہار سے پہلے

پچھلی شب میں خزاں کا سناٹا
ہم زباں تھا بہار سے پہلے

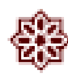
اب جنازہ ہے چار تنکوں کا
آشیاں تھا بہار سے پہلے

چاندنی میں یہ آگ کا دریا
کب رواں تھا بہار سے پہلے

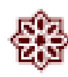
لٹ گئی دل کی زندگی ساغرؔ
دل جواں تھا بہار سے پہلے



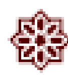
سایۂ زلف بتاں میں بیٹھو
اس پرستش کے جہاں میں بیٹھو
مہ وشو! صبح یقیں ہونے تک
منزل شام گماں میں بیٹھو!
لوگ کہتے ہیں شفاعت کے لیے
دو گھڑی بادہ کشاں میں بیٹھو
ان کے پہلو میں بھی دل ہوتے ہیں
بزم آشفتہ سروں میں بیٹھو
زیست کے راز چھلکتے ہیں جہاں
آؤ! ساغر کے جہاں میں بیٹھو



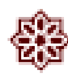
شمع اس راہ پہ جلی ہے ابھی
رنج کی شب کہاں ڈھلی ہے ابھی
گل کھلے ہیں تمہاری آہٹ سے
آنکھ مہتاب نے ملی ہے ابھی
دل کہ جس کو فقیر کہتے ہیں
ایک اجڑی ہوئی گلی ہے ابھی
کاروبار جنوں کی گمنامی
شہوت عقل سے بھلی ہے ابھی
چاند اتریں گے رہگزاروں میں
رسم تابندگی چلی ہے ابھی
اب طبیعت بحال ہے ساغرؔ
کچھ ذرا من میں بے کلی ہے ابھی



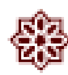
سب سے تیرا کرم غنیمت ہے
جو گزر جائے دم غنیمت ہے
آپ صبح بہار لے جائیں
مجھ کو شام الم غنیمت ہے
خواہشوں کی پرستشیں توبہ!
آدمی کا بھرم غنیمت ہے
اتنی دشوار تو نہیں منزل
زلف جاناں کا خم غنیمت ہے
اس تقدس کے قحط میں یارو
ان کا نقش قدم غنیمت ہے
تلخی کائنات ہے دل میں
جام میں ہی ستم غنیمت ہے
شبنمی شبنمی فضاؤں میں
دولت چشم نم غنیمت ہے



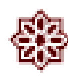
برگشتۂ یزدان سے کچھ بھول ہوئی ہے
بھٹکے ہوئے انسان سے کچھ بھول ہوئی ہے
تا حدّ نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
پھولوں کے نگہبان سے کچھ بھول ہوئی ہے
جس عہد میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے
ہنستے ہیں مری صورت مفتوں پہ شگوفے
میرے دل نادان سے کچھ بھول ہوئی ہے
حوروں کی طلب اور مئے و ساغر سے ہے نفرت
زاہد ! ترے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے



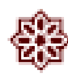
صحن کعبہ بھی یہیں ہے تو صنم خانے بھی
دل کی دنیا میں گلستاں بھی ہیں ویرانے بھی
لوگ کہتے ہیں اجارہ ہے ترے جلووں پر
اتنے ارزاں تو نہیں ہیں ترے دیوانے بھی
آتش عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرم سوزِ وفا شمع بھی پروانے بھی
کچھ فسانوں میں حقیقت کی جھلک ہوتی ہے
کچھ حقیقت سے بنا لیتے ہیں افسانے بھی
میرے اشعار ہیں تصویر تمنا ساغرؔ
ان کی آغوش میں ہیں درد کے افسانے بھی



صراحی جام سے ٹکرایئے برسات کے دن ہیں
حدیث زندگی دہرایئے برسات کے دن ہیں
سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم
ذرا ملاح کو سمجھایئے برسات کے دن ہیں
کسی پُرنور تہمت کی ضرورت ہے گھٹاؤں کو
کہیں سے مہ وشوں کو لایئے برسات کے دن ہیں
طبیعت گردش دوراں کی گھبرائی ہوئی سی ہے
پریشاں زلف کو سلجھایئے برسات کے دن ہیں
بہاریں ان دنوں دشت بیاباں میں آتی ہیں
فقیروں پر کرم فرمایئے برسات کے دن ہیں
یہ موسم شورش جذبات کا مخصوص موسم ہے
دل نادان کو بہلایئے برسات کے دن ہیں
سہانے آنچلوں کے ساز پر اشعار ساغر کے
کسی بے چین دھن میں گایئے برسات کے دن ہیں



عظمت زندگی کو بیچ دیا
ہم نے اپنی خوشی کو بیچ دیا
چشم ساقی کے اک اشارے پر
عمر کی تشنگی کو بیچ دیا
رند جام و سبو پہ ہنستے ہیں
شیخ نہ بندگی کو بیچ دیا
راہگذاروں پہ لٹ گئی رادھا
شام نے بانسری کو بیچ دیا
جگمگاتے ہیں وحشتوں کے دیار
عقل نے آدمی کو بیچ دیا
لب و رخسار کے عوض ہم نے
سطوت خسروی کو بیچ دیا
عشق بہروپیا سے اے ساغر
آپ نے سادگی کو بیچ دیا



سکوت غم سے جو گزرے نہ پھر ملی آواز
یہیں کہیں انہی گلیوں میں کھو گئی آواز

یہ کہکشاں میرے نغمات کی لڑی یارو
کرن کرن کی سماعت میں ہے میری آواز

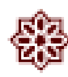
بہت دنوں سے ہے پامال دل کا ہر غنچہ
میں منتظر ہوں کوئی آئے شبنمی آواز

نہ چھیڑ عذر محبت کی داستاں اے دوست
کہ بزم عشق میں ہوتی ہے خامشی آواز

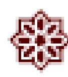
میں خود نگر ہوں کسی موڑ پر نہ ٹھہروں گا
ازل سے دیتی رہی مجھ کو زندگی آواز

شب فراق کوئی گنگنا کے گزرا ہے
کہ بن گئی ہے ستاروں کی روشنی آواز

خدا کرے کہ ستاروں کو چھو سکے ساغرؔ
سرودِ زیست کے پردوں میں ڈوبتی آواز



ستم جاگتے ہیں کرم سو رہے ہیں
محبت کے جاہ و حشم سو رہے ہیں
مرے نکتہ سازو! سخن کے خداؤ
پکارو کہ لوح و قلم سو رہے ہیں
وہاں چاندنی کے قدم ڈولتے ہیں
جہاں تیرے نقشِ قدم سو رہے ہیں
ہر اک ذہن میں ہے خدائی کا دعویٰ
ہر اک آستیں میں صنم سو رہے ہیں
یہاں خواب راحت فریب یقیں ہے
نہ تم سو رہے ہو نہ ہم سو رہے ہیں
میری اجڑی اجڑی سی آنکھوں میں ساغر
زمانے کے رنج و الم سو رہے ہیں



سوز سے تصورات تصویر جل گئی
اک نغمہ گر کی جھومتی تقدیر جل گئی

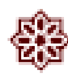
ساقی نے اس ادا سے بکھیری ہیں بجلیاں
پیمانۂ حیات کی تنویر جل گئی

لاشے تڑپ رہے ہیں سر مقتل وفا
بسمل کا رقص دیکھ کے شمشیر جل گئی

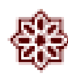
تاثیر آہ سرد کی صورت پہ ہنس پڑی
آہوں کا یہ گلہ ہے کہ تاثیر جل گئی

وہ مسکرا رہے تھے میرے حال زار پر
دیکھا تھا ایک خواب کہ تعبیر جل گئی

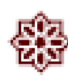
بنیاد میکدہ میں وضو کے ظروف تھے
ساغر سنا ہے حدت تعمیر جل گئی



قریب دار کٹا دن تو رات کانٹوں پر
گزار دی ہے کسی نے حیات کانٹوں پر
تغیرات سے افزوں ہے ارتقاء کا مزاج
ملا ہے گل کو چمن میں ثبات کانٹوں پر
بلا سے دامن ہستی جو تار تار ہوا
مرے جنوں نے لگائی ہے گھات کانٹوں پر
چٹک رہے ہیں شگوفے تمہاری یادوں کے
سجی ہے شبنم و گل کی برات کانٹوں پر
یہ اور بات ہے پھولوں کا ذکر تھا ساغرؔ
کہ اتفاق سے پہنچی ہے بات کانٹوں پر



ہم خاک نشیں ، خاک بسر شہر میں تیرے
کر لیں گے اسی طرح گزر شہر میں تیرے
جب تک تری گلیوں سے رہا ہم کو تعلق
ہمرقص رہے شمس و قمر شہر میں تیرے
کچھ لوگ تمناؤں کا خون چہرے پہ مل کر
بیٹھے ہیں سرراہ گزر شہر میں تیرے
اٹھتے رہے کلیوں کی جوانی کے جنازے
جلتے رہے پھولوں کے نگر شہر میں تیرے
پلتی ہے تقدس کے لبادے میں حقارت
بجتے ہیں حوادث کے گجر شہر میں تیرے
ساغر کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں ابھی تک
کجلائے ہوئے شام و سحر شہر میں تیرے



غم کے مجرم خوشی کے مجرم ہیں
لوگ اب زندگی کے مجرم ہیں

اور کوئی گناہ یاد نہیں
سجدۂ بے خودی کے مجرم ہیں

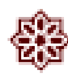
استغاثہ ہے راہ و منزل کا
راہزن رہبری کے مجرم ہیں

مے کدے میں یہ شور کیسا ہے
بادہ کش بندگی کے مجرم ہیں

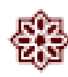
دشمنی آپ کی عنایت ہے
ہم فقط دوستی کے مجرم ہیں

ہم فقیروں کی صورتوں پہ نہ جا
خدمت آدمی کے مجرم ہیں

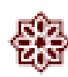
کچھ غزالان آگہی ساغرؔ
نغمہ و شاعری کے مجرم ہیں



کچھ لوگ کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں
ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اجڑی شاخوں سے
ہم اہل جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں
جب سارا اثاثہ لٹ جائے تسکین سفر ہو جاتی ہے
ہم راہنماؤں کے بدلے رہزن کی توقع رکھتے ہیں
سنگین چٹانوں سے دل کے دکھنے کی شکایت کرتے ہیں
ظلمت کے نگر میں نورانی آنگن کی توقع رکھتے ہیں
وہ گیسوئے جاناں ہوں ساغر یا گردش دوراں کے سائے
اے وائے مقدر دونوں سے الجھن کی توقع رکھتے ہیں



قید تصورات میں مدت گزر گئی
ساقی غم حیات میں مدت گزر گئی
مجھ کو شکست جام کے نغموں سے واسطہ
میخانۂ ثبات میں مدت گزر گئی
کچھ بھی نہیں ہے گیسوئے خمدار کے سوا
تفسیر کائنات میں مدت گزر گئی
پابند حرف دار و رسن داستان شوق
عرض و گزارشات میں مدت گزر گئی
روٹھے تو اور بن گئے تصویر التفات
کیف نوازشات میں مدت گزر گئی
ہر حادثہ حیات کی روداد بن گیا
دنیائے حادثات میں مدت گزر گئی
ساغرؔ کہاں مجال کہ آنکھیں ملائیں ہم
رسوائیاں ہیں گھات میں مدت گزر گئی



کھلتے رہیں گے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیب تمنا میں چار پھول

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقش پائے ناز
ہم نے گرا دیئے ہیں سرِ رہگوار پھول

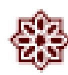
آوارگان شوق چلو ہم کریں تلاش
وہ کارواں جو چھوڑ گیا ہے غبار پھول

کھولے ہیں اس نے گیسوئے عنبر فشاں ضرور
کچھ حد سے ہو گئے ہیں سوا اشکبار پھول

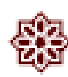
بھنوروں کو جستجو ہے تیری کنج کنج میں
شاخوں پہ کر رہے ہیں ترا انتظار پھول

ہائے شہید ناز کی تربت پہ رونقیں
مدھم سی اک شمع ہے دو سوگوار پھول

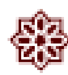
پھولوں پہ مر مٹے کبھی کانٹوں پہ جی لیے
اپنی نظر میں ایک ہیں گلشن میں خار پھول



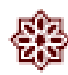
بیکسی شام آہ جگنو نہ ہے تتلی کوئی
آج دل میں نسترن کی شاخ پھر چبھنے لگی
تو نے کیا توڑا گلستاں سے وفا کا ایک پھول
ہر کلی ہے غیر محرم ہر شگوفہ اجنبی
بے ارادہ چل رہا ہوں زندگی کی راہ پر
میرے مسلک میں نہیں ہے کاروبار رہبری
جن میں کچھ انسان کی توقیر کے احکام تھے
وہ شریعت معبدوں کے زیر سایہ سو گئی
آ گئیں بازار میں بکنے خدا کی عظمتیں
جی اٹھی ہیں خواہشیں اور مر گیا ہے آدمی
میں شعاؤں میں پگھل جاؤں مری فطرت نہیں
وہ ستارہ ہوں کہ جس کو ڈھونڈتی ہے روشنی
اور کتنی دور ہیں ساغر عدم کی منزلیں
زندگی سے پوچھ لوں گا راستے میں گر ملی!



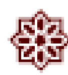
کچھ حرف التجا تھے دعاؤں سے ڈر گئے
ارمان بندگی کے خداؤں سے ڈر گئے
اب کون دیکھتا ہے ترے شمس کی طرف
سورج مکھی کے پھول شعاعوں سے ڈر گئے
ہنس کر جو جھیلتے تھے زمانے کی تلخیاں
اے چشم یار تیری اداؤں سے ڈر گئے
رنگیں فضا میں جل گئیں خاموش تتلیاں
آنچل اڑے تو پھول ہواؤں سے ڈر گئے
آہوں کو اعتبار سماعت سمجھ لیا
نغمون کی بے قرار صداؤں سے ڈر گئے
ساقی نے مسکرا کے گلے سے لگا لیے
وہ آدمی جو اپنی خطاؤں سے ڈر گئے
تشنہ لبی نے ساغر و مینا کو ڈس لیا
زلفوں کی مست گھٹاؤں سے ڈر گئے



یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
ان میں کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں
تیری محفل کا بھرم رکھتے ہیں سو جاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیدار نظر آتے ہیں
دور تک کوئی ستارہ ہے نہ کوئی جگنو!
مرگ امید کے آثار نظر آتے ہیں
مرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں
کل جنھیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونق بازار نظر آتے ہیں
حشر میں کون گواہی مری دے گا ساغرؔ
سب تمھارے ہی طرفدار نظر آتے ہیں



اے تغیر زمانہ یہ عجیب دل لگی ہے!
نہ وقار دوستی ہے نہ مجال دشمنی ہے
یہی ظلمتیں چھپنیں جو ترے سرخ آنچلوں میں
ان ہی ظلمتوں سے شاید مرے گھر میں روشنی ہے
میرے ساتھ تم بھی چلنا مرے ساتھ تم بھی آنا
ذرا غم کے راستوں میں ، بڑی تیز تیرگی ہے
یہ مشاہدہ نہیں ہے مرے درد کی صدا ہے
مرے داغ دل لیے ہیں تری بزم جب سجی ہے
غم زندگی کہاں ہے ابھی وحشتوں سے فرصت
ترے ناز اٹھا ہی لیں گے ابھی زندگی پڑی ہے
ترے خشک گیسوؤں میں مری آرزو ہے پنہاں
ترے شوخ بازوؤں میں مری داستاں رچی ہے
جسے اپنا یار کہنا اسے چھوڑنا بھنور میں
یہ حدیث دلبراں ہے یہ کمال دلبری ہے
وہ گزر گیا ہے ساغر کوئی قافلہ چمن سے
کہیں آگ جل رہی ہے کہیں آگ سو گئی ہے



اس میں شامل دشت و صحرا اور ویرانے کی بات
اہل محفل سے جدا ہے تیرے دیوانے کی بات

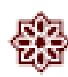
محتسب ہم بے گناہوں کو نہ دے الزام مَے
تشنگی میں آ گئی ہونٹوں پہ مَے خانے کی بات

ہاں ابھی بھولی نہیں جورِ خزاں کی داستان
احتیاطاً ہم نہیں کرتے بہار آنے کی بات

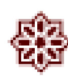
بن گئی ہے سرخی حسنِ بہاراں جاوداں!
آ گئی زلف معنبر کے بکھر جانے کی بات

ہر نفس میں شعلہ زن ہیں گرمیاں حالات کی
زندگی ہے ان دنوں بے موت مر جانے کی بات

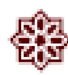
میکدہ بدلا ہوا ساغر شکستہ حال ہیں
ہر حقیقت بن گئی ہے آج افسانے کی بات



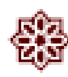
کب سماں تھا بہار سے پہلے
غم کہاں تھا بہار سے پہلے
ایک ننھا سا آرزو کا دیا
ضوفشاں تھا بہار سے پہلے
اب تماشا ہے چار تنکوں کا
آشیاں تھا بہار سے پہلے
اے مرے دل کے داغ یہ تو بتا
تو کہاں تھا بہار سے پہلے
پچھلی شب میں خزاں کا سناٹا
ہم زباں تھا بہار سے پہلے
چاندنی میں یہ آگ کا دریا
کب رواں تھا بہار سے پہلے
بن گیا ہے سحاب موسم گل
جو دھواں تھا بہار سے پہلے
لٹ گئی دل کی زندگی ساغر
دل جواں تھا بہار سے پہلے



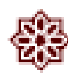
کس کو بھاتی رہی رات بھر چاندنی
جی جلاتی رہی رات بھر چاندنی
ٹمٹماتے رہے حسرتوں کے دیئے
مسکراتی رہی رات بھر چاندنی
اک حسیں جسم کی طرح آغوش میں
کسمساتی رہی رات بھر چاندنی
اشک پیتے رہے ہم کسی اور کے
مئے پلاتی رہی رات بھر چاندنی
ایک شبنم کے قطرے کی تقدیر کو
آزماتی رہی رات بھر چاندنی
صبح دیکھا شگوفے تھے ٹوٹے ہوئے
گل کھلاتی رہی رات بھر چاندنی
ان کی زلفوں کے سائے بہکتے رہے
لڑکھڑاتی رہی رات بھر چاندنی
غم کے سائے چھلکتے رہے
جگمگاتی رہی رات بھر چاندنی



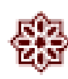
فضا مغموم ہے ساقی ! اٹھا چھلکائیں پیمانہ
اندھیرا بڑھ چلا ہے لا ذرا قندیل میخانہ
بہ فیض زندگی گزرے ہیں ایسے مرحلوں سے ہم
کہ اپنے راستے میں اب نہ بستی ہے نہ ویرانہ
بس اتنی بات پر دشمن بنی ہے گردش دوراں
خطا یہ ہے کہ چھیڑا کیوں تیری زلفوں کا افسانہ
چراغ زندگی کو ایک جھونکے کی ضرورت ہے
تمہیں میری قسم ہے پھر ذرا دامن کو لہرانا
دلوں کو شوق سے روندو خرامِ ناز فرماؤ
اگر محشر ہوا تو پھر مجھے مجرم نہ ٹھہرانا
تری محفل میں ساغرؔ سا بھی کوئی اجنبی ہو گا
پہ ظالم ایک مدت سے نہ اپنا ہے نہ بیگانہ



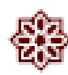
فضائے نیم شبی کہہ رہی ہے سب اچھا
ہماری بادہ کشی کہہ رہی ہے سب اچھا
نہ اعتبار محبت نہ اختیار وفا
جنوں کی تیز روی کہہ رہی ہے سب اچھا
دیار ماہ میں تعمیر میکدے ہوں گے
کہ دامنوں کی تہی کہہ رہی ہے سب اچھا
قفس میں یوں بھی تسلی بہار نے دی ہے
چٹک کے جیسے کلی کہہ رہی ہے سب اچھا
وہ آشنائے حقیقت نہیں تو کیا غم ہے
حدیث نامہ بری کہہ رہی ہے سب اچھا
تڑپ تڑپ کے شب ہجر کاٹنے والو
نئی سحر کی گھڑی کہہ رہی ہے سب اچھا
حیات و موت کی تفریق کیا کریں ساغرؔ
ہماری شان خودی کہہ رہی ہے سب اچھا



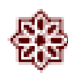
کاروبار وفا کا نام نہ لو
آدمی کے سزا کا نام نہ لو
راہزن شرمسار سے ہوں گے
رہبرو راہنما کا نام نہ لو
ڈوب جاتی ہیں کشتیاں اکثر
کیا ہوا ناخدا کا نام نہ لو
کس نے توڑا ہے کاسۂ مجنوں
ان کے دستِ سخا کا نام نہ لو
کون چپکے سے پی کے گزرا ہے
زاہد پارسا کا نام نہ لو
رنگ اڑ جائے گا شگوفوں کا
اعتبار صبا کا نام نہ لو
ذوق انساں کی مفلسی ساغرؔ
کہہ رہی ہے خدا کا نام نہ لو



کوئی نالہ یہاں رسا نہ ہوا
اشک بھی حرفِ مدعا نہ ہوا
تلخیِ درد ہی مقدر تھی
جامِ عشرت ہمیں عطا نہ ہوا
ماہتابی نگاہ والوں سے
دل کے داغوں کا سامنا نہ ہوا
آپ رسمِ جفا کے قائل ہوں
میں اسیرِ غمِ وفا نہ ہوا
وہ شہنشاہ نہیں بھکاری ہے
جو فقیروں کا آسرا نہ ہوا
راہزن عقل، ہوش دیوانہ
عشق میں کوئی رہنما نہ ہوا
ڈوبنے کا خیال تھا ساغرؔ
ہائے ساحل پہ ناخدا نہ ہوا



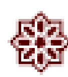
روداد محبت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
وہ ہوش کی ساعت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیداد مشیت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
احساس کے مۓ میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
کچھ حال کے اندھے تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
کانٹوں سے بھرا ہے دامن دل شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب اپنی حقیقت بھی ساغرؔ بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے



آوارگی بے رنگ تماشا بُری نہیں
ذوق نظر ملے تو یہ دنیا بُری نہیں
کہتے ہیں تیری زلف پریشاں کو زندگی
اے دوست زندگی کی تمنا بُری نہیں

ہے ناخدا کا میری تباہی سے واسطہ
میں جانتا ہوں نیت دریا بُری نہیں
جب زندگی کو مل نہ سکا زرفشاں کفن
ذوق فنا کو چادر صحرا بُری نہیں

اچھا ہوا کہ منزل ہستی سے دور ہیں
کچھ راہ و رسم خضر و مسیحا بُری نہیں
ساغرؔ کے ساتھ چل کے کبھی میکدے میں سن
واللہ حدیث بادہ و مینا بُری نہیں



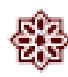
میں کہ آشفتہ و رسوا سرِ بازار ہوا
چاک داماں کا تماشہ سرِ بازار ہوا

تیری عصمت کی تجارت پسِ دیوار سہی
میری تقدیر کا سودا سرِ بازار ہوا

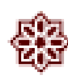
پھر کوئی اہلِ جنوں دار پہ چڑھ جائے گا
پھر ترے حسن کا چرچا سرِ بازار ہوا

ہم نے رکھا ہے اسے دل کے مکاں میں برسوں
جو کبھی ہم سے شناسا سرِ بازار ہوا

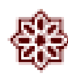
مرحلے دید کے دشوار تھے لیکن ساغر
منزلِ طور کا جلوہ سرِ بازار ہوا



بھولی ہوئی صدا ہوں ، مجھے یاد کیجیے
تم سے کہیں ملا ہوں ، مجھے یاد کیجیے
منزل نہیں ہوں ، خضر نہیں راہزن نہیں
منزل کا راستہ ہوں ، مجھے یاد کیجیے
میری نگاہ شوق سے ہر گل ہے دیوتا
میں عشق کا خدا ہوں ، مجھے یاد کیجیے
نغموں کی ابتدا تھی کبھی میرے نام سے
اشکوں کی انتہا ہوں ، مجھے یاد کیجیے
گم سم کھڑی ہیں دونوں جہاں کی حقیقتیں
میں ان سے کہہ رہا ہوں ، مجھے یاد کیجیے
ساغرؔ کسی کے حسن تغافل شعار کی
بہکی ہوئی ادا ہوں ، مجھے یاد کیجیے



اے حسن لالہ فام ذرا آنکھ تو ملا
خالی پڑے ہیں جام ذرا آنکھ تو ملا
کہتے ہیں آنکھ آنکھ سے ملنا ہے بندگی
دنیا کے چھوڑ کام ذرا آنکھ تو ملا
کیا وہ نہ آج آئیں گے تاروں کے ساتھ ساتھ
تنہائیوں کی شام ذرا آنکھ تو ملا
یہ جام ، یہ سبو یہ تصور کی چاندنی
ساقی کہاں مدام ، ذرا آنکھ تو ملا
ساقی مجھے بھی چاہیے اک جام آرزو
کتنے لگیں کے دام ، ذرا آنکھ تو ملا
پامال ہو نہ جائے ستاروں کی آبرو
اے میرے خوش خرام ذرا آنکھ تو ملا
ہیں راہ کہکشاں میں ازل سے کھڑے ہوئے
ساغر تیرے غلام ذرا آنکھ تو ملا



بھنور آنے کو ہے اے اہلِ کشتی ناخدا چُن لیں
چٹانوں سے جو ٹکرائے وہ ساحل آشنا چُن لیں

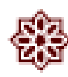
زمانہ کہہ رہا ہے میں نئی کروٹ بدلتا ہوں
انوکھی منزلیں ہیں کچھ نرالے رہنما چُن لیں

اگر شمس و قمر کی روشنی پر کچھ اجارہ ہے
کسی بے درد ماتھے سے کوئی تارِ ضیا چُن لیں

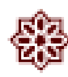
یقیناً اب عوامی عدل کی زنجیر چھنکے گی
یہ بہتر ہے کہ مجرم خود ہی جرموں کی سزا چُن لیں

اسیری میں کریں حسنِ گلستاں کی نگہبانی
قفس میں بیٹھ کر طائر ذرا رنگِ قضا چُن لیں

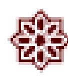
بگولے نگہتِ گل کے نمایندے کہاں ساغرؔ
سنیں جو بات پھولوں کی وہ ہمراز صبا چُن لیں



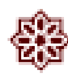
اس درجہ عشق موجب رسوائی بن گیا
میں آپ اپنے گھر کا تماشائی بن گیا
دیر و حرم کی راہ سے دل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا
بزم وفا میں آپ سے اک پل کا سامنا
یاد آ گیا تو عہد شناسائی بن گیا
بیساختہ بکھر گئی جلووں کی کائنات
آئینہ ٹوٹ کر تیری انگڑائی بن گیا
دیکھی جو رقص کرتی ہوئی موجِ زندگی
میرا خیال وقت کی شہنائی بن گیا



احتیاطاً فقر کا ہر مرحلہ کٹتا رہا
اتفاقاً آپ کی خیرات کا دھڑکا رہا
آج پھر شبنم کے قطروں نے بجایا جلترنگ
آج پھر دامن مری آواز کا بھیگا رہا
کوئی آیا ہے نہ آئے گا دل نادان کبھی
میرے دروازے کا پردہ تو سدا ہلتا رہا
رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد بھی
دیر تک آنگن میرے احساس کا مہکا رہا
تیز رو چلتے ہیں ساغرؔ قافلے اس نام سے
رہنماؤں سے ہمیشہ راہزن اچھا رہا



اے دل بے قرار چُپ ہو جا
جا چکی ہے بہار چُپ ہو جا
اب نہ آئیں گے روٹھنے والے
دیدۂ اشکبار چُپ ہو جا
جا چکا کاروان لالہ و گل
اڑ رہا ہے غبار چُپ ہو جا
چھوٹ جاتی ہے پھول سے خوشبو
روٹھ جاتے ہیں یار چُپ ہو جا
ہم فقیروں کا اس زمانے میں
کون ہے غمگسار چُپ ہو جا
حادثوں کی نہ آنکھ کھل جائے
حسرت سوگوار چُپ ہو جا
گیت کی ضرب سے بھی اے ساغرؔ
ٹوٹ جاتے ہیں تار چُپ ہو جا



بدنامیِ حیات سے رنجور ہو گئے
اے یار ! تیری بات سے رنجور ہو گئے

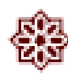
یزداں کے حادثات پہ ہم نے کیا یقیں
اپنی شکست ذات سے رنجور ہو گئے

مرجھا کے رہ گئی غم دشنام کی بہار
فصل تکلفات سے رنجور ہو گئے

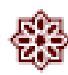
ہر رہگذر پہ چُور ہیں انسانیت کے پاؤں
شیشے کی کائنات سے رنجور ہو گئے

اپنوں نے زندگی میں ہراساں کیا مجھے
غیروں کے التفات سے رنجور ہو گئے

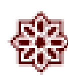
ساغرؔ سکون دے گئی دل کی کسک ہمیں
اکثر خوشی کی بات سے رنجور ہو گئے



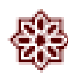
نگاروں کے میلے ستاروں کے جھرمٹ
بہت دل نشیں ہیں بہاروں کے جھرمٹ
جواں ہیں اگر ولولوں کے تلاطم
تو موجوں میں بھی ہیں کناروں کے جھرمٹ
میرے چار تنکوں کی تقدیر دیکھو
ہیں چمن در چمن شراروں کے جھرمٹ
تیرے گیسوؤں سے جنم پا رہے ہیں
گلستاں گلستاں نظاروں کے جھرمٹ
چھلکتا رہا ہے میرا جام زریں
مہکتے رہے ہیں چناروں کے جھرمٹ
جہاں جل گئی شمع بزم تمنا
وہیں مل گئے جاں نثاروں کے جھرمٹ
تجھے یاد رکھیں گی ساغر بہاریں
ترے شعر ہیں گلعذاروں کے جھرمٹ



نہ شان قیصر و کسریٰ نہ سطوت کے لا
غم بشر جسے کہیے کہیں سے وہ شے لا
خمار لالہ و گل ہے نہ کیف رقص صبا
بہار میں بھی رہا دامن چمن پھیلا
جسے تصور انساں کشید کرتا ہے
شعور ڈوب کے نکلے نہ جس میں وہ مَے لا
وہ جس کے پاس ہو زخم حیات کا مرہم
کہیں سے ڈھونڈ کوئی ایسا چارہ گر ہے لا
در سخاوت احساس بند ہے ساغرؔ
شکست کاسۂ مجنوں نہ اب سگ لیلےٰ



محفلیں لٹ گئیں جذبات نے دم توڑ دیا
ساز خاموش ہیں نغمات نے دم توڑ دیا
ہر مسرت غمِ دیروز کا عنوان بنی
وقت کی گود میں لمحات نے دم توڑ دیا
اَن گنت محفلیں محرومِ چراغاں ہیں ابھی
کون کہتا ہے کہ ظلمات نے دم توڑ دیا
آج پھر بجھ گئے جل جل کے امیدوں کے دیئے
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا
جس سے افسانۂ ہستی میں تسلسل تھا کبھی
ان محبت کی روایات نے دم توڑ دیا
جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹوٹ گئی
جگمگاتی ہوئی برسات نے دم توڑ دیا
ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغرؔ
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا



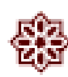
لوگ لیتے ہیں یونہی شمع اور پروانے کے نام
کچھ نہیں ہے اس جہاں میں غم کے افسانے کے نام

مٹ گئی بربادئ دل کی شکایت دوستو
اب گلستاں رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کے نام

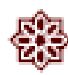
شوخی قد نگاراں میری صہبا کا وجود
مستی چشم غزالاں میرے پیمانے کے نام

اس کو کہتے ہیں غم تقدیر کی نیلام گاہ
ہے زبانِ تشنگی میں اور میخانے کے نام

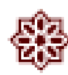
دیکھیے! ساغر کی آشفتہ نگاہی کا کمال
مستیاں چھلکا رہا ہے ایک دیوانے کے نام



تاروں سے میرا جام بھرو ! میں نشے میں ہوں
اے ساکنانِ خلد سنو ! میں نشے میں ہوں
کچھ پھول کھل رہے ہیں سرِ شاخ مے کدہ
تم ہی ذرا یہ پھول چنو ! میں نشے میں ہوں
ٹھہرو ابھی تو صبح کا مارا ہے ضوفشاں
دیکھو ! مجھے فریب نہ دو ! میں نشے میں ہوں
نشہ تو موت ہے غمِ ہستی کی دھوپ میں
بکھرا کے زلف ساتھ چلو ! میں نشے میں ہوں
میلہ یوں ہی رہے یہ سرِ رہگزارِ زیست
اب جام سامنے ہی رکھو میں نشے میں ہوں
پائل چھنک رہی ہے نگارِ خیال کی !
کچھ اہتمامِ رقص کرو ! میں نشے میں ہوں
میں ڈگمگا رہا ہوں بیابانِ ہوش میں
میرے ابھی قریب رہو ! میں نشے میں ہوں
ہے صرف ایک تبسمِ رنگیں بہت مجھے
ساغر بدوش لالہ رخو! میں نشے میں ہوں



جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں ہیں
لوگ جس بزم میں آتے ہیں ستارے لے کر
ہم اسی بزم میں بادیدۂ نم آتے ہیں!
میں وہ اک رندِ خرابات ہوں مے خانے میں
میرے سجدے کے لیے ساغرِ جم آتے ہیں
اب ملاقات میں وہ گرمیِ جذبات کہاں
اب تو رکھنے وہ محبت کا بھرم آتے ہیں
قربِ ساقی کی وضاحت تو بڑی مشکل ہے
ایسے لمحے تھے جو تقدیر سے کم آتے ہیں
میں بھی جنت سے نکالا ہوا اک بت ہی تو ہوں
ذوقِ تخلیق تجھے کیسے ستم آتے ہیں
چشمِ ساغر ہے عبادت کے تصور میں سدا
دل کے کعبے میں خیالوں کے صنم آتے ہیں



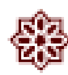
قریب دار کٹا دن ، تو رات کانٹوں پر
گزار دی ہے کسی نے حیات کانٹوں پر

تغیرات سے افزوں ہے ارتقاء کا مزاج
ملا کلی کو چمن میں ثبات کانٹوں پر

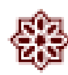
بلا دے دامن ہستی جو تار تار ہوا
مرے جنوں نے لگائی ہے گھات کانٹوں پر

چٹک رہے ہیں شگوفے تمہاری یادوں کے
سجی ہے شبنم و گل کی برات کانٹوں پر

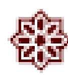
یہ اور بات ہے ، پھولوں کا ذکر تھا ساغر
کہ اتفاق سے پہنچی ہے بات کانٹوں پر



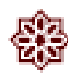
ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں
جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے کے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں
شمع جس کی آبرو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں
اب تو مدت سے رہ و رسم نظارہ بند ہے
اب تو ان کا طور پر بھی سامنا ہوتا نہیں
پر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں
ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقام خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں
ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جدا ہوتا نہیں



تیری نظر کا رنگ بہانوں نے لے لیا
افسردگی کا روپ ترانوں نے لے لیا
جس کو بھری بہار میں غنچے نہ کہہ سکے
وہ واقعہ بھی میرے فسانوں نے لے لیا
شاید ملے گا قریۂ مہتاب میں سکوں
اہل خرد کو ایسے گمانوں نے لے لیا
یزداں سے بچ رہا تھا جلالت ایک لفظ
اس کو حرم کے شوخ بیانوں نے لے لیا
تیری ادا سے ہو نہ سکا جس کا فیصلہ
وہ زندگی کا راز نشانوں نے لے لیا
افسانۂ حیات کی تکمیل ہو گئی
اپنوں نے لے لیا کہ بیگانوں نے لے لیا
بھولی نہیں وہ قوس قزح کی سوی صورتیں
ساغرؔ تمہیں تو مست دھیانوں نے لے لیا



جلوے مچل رہے ہیں نظاروں کی آگ میں
کچھ پھول جل رہے ہیں بہاروں کی آگ میں
آشفتگی سے چور ہیں ، زلفوں کی بدلیاں
ساقی شراب ڈال چناروں کی آگ میں
پلکوں میں بھیگی بھیگی ہیں کجلے کی دھاریاں
شبنم مہک رہی ہے شراروں کی آگ میں
گر مَے نہیں تو پیار کے دو بول ہی سہی
کچھ تو کمی ہو بادہ گساروں کی آگ میں
اللہ رے یقین محبت کی داستاں
دامن سلگ رہا ہے ستاروں کی آگ میں
کہتی ہیں ناخدا سے یہ موجوں کی شورشیں
تیرے بھی مشورے تھے کناروں کی آگ میں
ساغر رہیں گے رونق بازار آرزو
اشعار جو کہے ہیں نگاروں کی آگ میں



جگر کے زخم جاگے ایک شام نوبہار آئی!
نہ جانے تیری گلیوں سے فضائے مشکبار آئی!

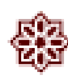
اسیروں نے نئی دھن میں کوئی فریاد چھیڑی ہے
شگوفے مسکرائے اک صدائے کیف بار آئی

ہے گرد کارواں کی گود میں شاید کوئی منزل
سنو اے رہنماؤ! اک نوید لالہ زار آئی

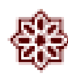
کسی رند جہاں کش نے کوئی پیمانہ توڑا ہے
تمناؤں کے گلزاروں میں اک صورت ہزار آئی

جبین عشق نے سجدے کیے تقدیس الفت کے
چمن میں رقص فرماتی ہوئی موج خمار آئی

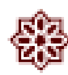
شگفتہ کس قدر مجموعۂ اشعار ساغرؔ ہے
صبا لے کر چمن میں جیسے پیغام قرار آئی



جذبہ سوز طلب کو بیکراں کرتے چلو
گو بہ گو روشن چراغ کارواں کرتے چلو
چشم ساقی پر تبسم میکدہ بہکا ہوا
آؤ قسمت کو حریف کہکشاں کرتے چلو
چھین لاؤ آسماں سے مہر و مہ کی عظمتیں
اور ٹوٹے جھونپڑوں کو ضوفشاں کرتے چلو
زندگی کو لوگ کہتے ہیں برائے بندگی
زندگی کٹ جائے گی ذکر بتاں کرتے چلو
جن سے زندہ ہو یقین و آگہی کی آبرو
عشق کی راہوں میں کچھ ایسے گماں کرتے چلو
ہر نفس اے جینے والو! شغل پیمانہ رہے
بے خودی کو زندگی کا پاسباں کرتے چلو
چھیڑ کر ساغرؔ کسی کے گیسوؤں کی داستاں
ان شگوفوں کو ذرا شعلہ زباں کرتے چلو



اچھال جام کہ تسخیر کائنات کریں
بکھیر زلف کہ تنظیم حادثات کریں
شکست بازیٔ دوراں ہے ایک جرعۂ مے
چلو کہ بازیٔ دوراں کو آج مات کریں
بجھا چراغ نظر لٹ چکی ہے بزم خیال
چلو کہ صبح کے تارے سے کوئی بات کریں
روش روش پہ سجائیں سخن کے گلدستے
بہار فکر سے تزئین کائنات کریں
وہ جن کو خوف ہو گرداب وقت سے ساغرؔ
وہ اپنی ناؤ سپرد غم حیات کریں



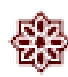
پھول چاہے تھے مگر ہاتھ میں آئے پتھر
ہم نے آغوش محبت میں سلائے پتھر

وحشت دل کے تکلف کی ضرورت کے لیے
آج اس شوخ نے زلفوں میں سجائے پتھر

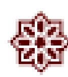
ان کے قدموں کے تلے چاند ستارے دیکھے
اپنی راہوں میں سلگتے ہوئے پائے پتھر

میں تری یاد کو یوں دل میں لیے پھرتا ہوں
جیسے فرہاد نے سینے سے لگائے پتھر

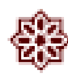
فکر ساغرؔ کے خریدار نہ بھولیں گے کبھی
میں نے اشکوں کے گھر تھے جو بنائے پتھر



پھول مسلیں تو انھیں نغمہ و جھنکار ملیں
میں نے کانٹے تو نہیں بوئے کہ انگار ملیں
آنکھ لرزاں سر محفل ہستی ہے دوست
ان کی چلمن کے قریں تشنۂ دیدار ملیں
اس کو ادراک کی پر نور زباں کہتے ہیں
جس میں انسان کی تعظیم کے اطوار ملیں
ایسی مجروح تمنا ہی صلیب غم ہے
جس کو غنچے بھی بہاروں میں گرفتار ملیں
خون دل شرط ہے اے یار بصیرت کے لیے
یہ بھی ممکن ہے کہ صحراؤں میں گلزار ملیں
حیف اس چارہ گر وقت کی قسمت ساغر
جس کو ہر گام پہ تقدیر کے بیمار ملیں



بزرگوں کی دعائیں مل رہی ہیں
محبت کو سزائیں مل رہی ہیں
فروزاں ہیں تمہارے غم کے دیپک
بڑی روشن فضائیں مل رہی ہیں
حسین گیسو ہیں شانوں پر پریشاں
گلے ان سے گھٹائیں مل رہی ہیں
شعور بزم تک جن کو نہیں
انھیں رنگیں ادائیں مل رہی ہیں
ترا آنچل ہوا میں اڑ رہا ہے
ترانوں کو نوائیں مل رہی ہیں
چلو بادہ کشوں میں تیرہ بختو
ستاروں کا ضیائیں مل رہی ہیں
وفاؤں کا صلہ ساغرؔ وطن میں
بہت ارزاں جفائیں مل رہی ہیں



جفا و جور کی دنیا سنوار دی ہم نے
زہے نصیب کہ ہنس کر گزار دی ہم نے

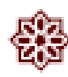
کلی کلی ہمیں حیرانیوں سے تکتی ہے
کہ پت جھڑوں میں صدائے بہار دی ہم نے

خیال یار کی رنگینیوں میں گم ہو کر
جمال یار کی عظمت نکھار دی ہم نے

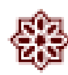
اسے نہ جیت سکے گا غم زمانہ اب
جو کائنات ترے در پہ ہار دی ہم نے

وہ زندگی کہ جسے زندگی سے نسبت تھی
تمہاری زلف پریشاں پہ وار دی ہم نے

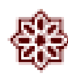
کچھ ایسا سرد ہوا جذبۂ وفا ساغرؔ
خود اپنی ذات کو ہنس ہنس کے خار دی ہم نے



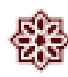
جل رہا ہے چراغ تنہائی
توسنِ زندگی کہاں سے آئی
میرے نغموں میں ڈوب جاتی ہے
فیضؔ اور قاسمؔی کی شہنائی
وہ فنا کی حدود سے گزرا
جس نے ٹھوکر حیات کی کھائی
میں شرارہ نہیں ستارہ ہوں
میں نے ذروں کی زلف سلجھائی
دیکھ کر زرد کونپلیں ساغرؔ
موسم گُل کی بات یاد آئی



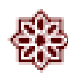
دن کٹ گئے جنوں کے آلام کے سہارے
سب کام چل گئے ہیں اک جام کے سہارے
بے چینیوں کی منزل ، بیتابیوں کی راہیں
کیا ڈھونڈتا ہے اے دل آرام کے سہارے
مسرت سے دیکھتا ہوں مجروح عشرتوں کو
اک صبح ہو رہی ہے اک شام کے سہارے
اے سنگدل زمانے! روداد عاشقی کا
آغاز کر دیا ہے انجام کے سہارے
تیرے گیسوؤں کے سائے مری زندگی کا عنوان
مری شاعری فروزاں تیرے نام کے سہارے
مایوسیوں کی مئے سے مخمور ہو گئے ہیں
ٹوٹے ہوئے سبو ہیں اب کام کے سہارے



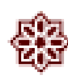
فریاد کے تقاضے ہیں نغمۂ سخن میں
الفاظ سو گئے ہیں کاغذ کے پیراہن مین
ہر آن ڈس رہی ہے ماضی کی تلخ یادیں
محسوس کر رہا ہوں بیچارگی وطن میں
اے پاسبان گلشن تجھ کو خبر نہیں ہے
شعلے بھڑک رہے ہیں پھولوں کی انجمن میں
اے یار تیرے غم سے فرصت اگر ملی تو
تبدیلیاں کروں گا اس عالم کہن میں
دیکھا ہے میں نے دل کی بیتابیوں کا منظر
اک ٹوٹتی کلی میں اک ڈوبتی کرن میں



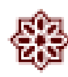
دو جہانوں کی خبر رکھتے ہیں
بادہ خانوں کی خبر رکھتے ہیں
خار زاروں سے تعلق ہے ہمیں
گلستانوں کی خبر رکھتے ہیں
ہم الٹ دیتے ہیں صدیوں کے نقاب
ہم زمانوں کی خبر رکھتے ہیں
ان کی گلیوں کے مکینوں کی سنو
لامکانوں کی خبر رکھتے ہیں
چند آوارہ بگولے اے دوست
کاروانوں کی خبر رکھتے ہیں
زخم کھانے کا سلیقہ ہو جنہیں
وہ نشانوں کی خبر رکھتے ہیں
کچھ زمینوں کے ستارے ساغرؔ
آسمانوں کی خبر رکھتے ہیں



خیال یار میں ہم پُر بہار رہتے ہیں
خزاں کے دن بھی ہمیں سازگار رہتے ہیں
چمن میں صرف ہمارا ہی ذکر ہوتا ہے
برنگ لالہ ہمیں داغدار رہتے ہیں
یہ اور بات کہ تم آئے ہو تو کوئی نہیں
وگرنہ غم تو یہاں بے شمار رہتے ہیں
جہان قدس بھی میری نظر سے گزرا ہے
وہاں بھی تیری نظر کے شکار رہتے ہیں
بصیرتوں کو نکھارا ہمیں نے اے ساغرؔ
تجلیوں سے ہمیں ہمکنار رہتے ہیں



چاندنی شب ہے ستاروں کی ردائیں سی لو
عید آئی ہے بہاروں کی ردائیں سی لو
چشم ساقی ہے کہو تشنہ امیدوں کے لیے
تم بھی کچھ بادہ گساروں کی ردائیں سی لو
ہر برس سوزن تقدیر چلا کرتی ہے
اب تو کچھ سینہ فگاروں کی ردائیں سی لو
لوگ کہتے ہیں تقدس کے سبو ٹوٹیں گے
جھومتی راہگزاروں کی ردائیں سی لو
قلزم خلد سے ساغر کی صدا آئی ہے
آپ بیتاب کناروں کی ردائیں سی لو



درد کے ماروں پہ ہنستا ہے زمانہ بے خبر
زخم ہستی کی کسک سے ہے نشانہ بے خبر

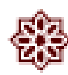
نگہتوں کے سائے میں ٹوٹے پڑے ہیں چند پھول
بجلیوں کی یورشوں سے آشیانہ بے خبر

حسن برہم کو نہیں حال پریشاں سے غرض
ساز دل کی دھڑکنوں سے ہے ترانہ بے خبر

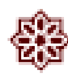
ہم قرار دل نہیں ہیں ہم نہیں آنکھوں کا نور
ہم سے آوارہ کا ہوتا ہے ٹھکانہ بے خبر

دونوں عالم وسعت آغوش کی تفسیر ہیں
دیکھنے میں ہے نگاہِ محرمانہ بے خبر

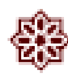
آپ اپنے فن سے ناواقف ہے ساغر کی نظر
لعل و گوہر کی ضیاؤں سے خزانہ بے خبر



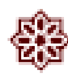
چوٹ کھا کر خود شناس و خود نگر ہو جایئے
کیوں کسی کے عشق میں شوریدہ سر ہو جایئے
اپنے دل کے داغ بھی کو دے اٹھیں تو کم نہیں
اپنی منزل کے لیے خود راہبر ہو جایئے
چھوڑ دیجئے عظمت یزداں کی جھوٹی داستاں
آج انساں کی نظر میں معتبر ہو جایئے
آج بی دو چار قطرے پی کے مرے جام کے
اہل دل اہل وفا اہل نظر ہو جایئے
صرف طوفاں میں یہی بچنے کی ایک تدبیر ہے
جس طرف موجیں اڈتی ہوں ادھر ہو جایئے
پھر ذرا چھلکایئے ساغر مئے دیدار کو
پھر نقاب رخ الٹ کر جلوہ گر ہو جایئے



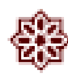
چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تقدیر کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کے آبروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند
جانے کیوں آپ کے رخسار مہک اٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند
لے کے حالات کے صحراؤں میں آ جاتا ہے
آج بھی خلد کی رنگین فضا عید کا چاند
تلخیاں بڑھ گئیں جب زیست کے پیمانے میں
گھول کر درد کے ماروں نے پیا عید کا چاند
چشم تو وسعت افلاک میں کھوئی ساغر
دل نے اک اور جگہ ڈھونڈ لیا عید کا چاند



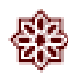
حاضر شراب و جام ہیں تو جاگ تو سہی
الطاف خاص و عام ہیں تو جاگ تو سہی
ہیں اختیار شوق میں تاروں کی منزلیں
بھٹکے ہوئے مقام ہیں تو جاگ تو سہی
اب شب کی ظلمتوں میں کہیں آس پاس ہی
صبحوں کے اہتمام ہیں تو جاگ تو سہی
افسردگی گناہ کی تمثیل ہے ندیم
بے چینیاں حرام ہیں تو جاگ تو سہی
ساغر! قریب تر ہے دیارِ مہ و نجوم
بس اور چند گام ہیں تو جاگ تو سہی



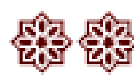
چمن میں غنچے کھلے ہوئے ہیں مگر نگار چمن نہیں ہے
نگاہ میں وسعتیں نہیں ہیں خیال میں بانکپن نہیں ہے
کبھی خرد کے جہاں سے گزرے کبھی جنوں کا نگر بسایا
میں بے نیاز قیام و راحت ہمارا کوئی وطن نہیں ہے
ہماری حالت پہ رونے والو، ہماری عادت پہ ہنسنے والو
تمہیں کوئی رنج تو ہو گا ! ہمیں کوئی محن نہیں ہے
تمہاری کاکل کا نام لے کر بہار پھولوں کو ڈس رہی ہے
غرور شبنم تو پھر اڑا ہے وقار سرو و سمن نہیں ہے
حیا کے پہرے ہیں بازوؤں پر جبیں پہ آنچل کی حکمرانی
کوئی ہمکتا ہوا تنفس کوئی مچلتی کرن نہیں ہے
یہاں جو بڑھ کر اٹھائے مینا اسی کا ساغر اسی کی مینا
ہیں اپنے اپنے نصیب ساقی کسی کا کوئی سجن نہیں ہے



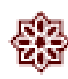
زخم دل پہ بہار دیکھا ہے
کیا عجب لالہ زار دیکھا ہے
جن کے دامن میں کچھ نہیں ہوتا
ان کے سینوں میں پیار دیکھا ہے
تشنگی ہے صدف کے ہونٹوں پر
گل کا سینہ فگار دیکھا ہے
خاک اڑتی ہے تیری گلیوں میں
زندگی کا وقار دیکھا ہے
ساقیا! اہتمام بادہ کر!
وقت کو سوگوار دیکھا ہے
جذبۂ غم کی خیر ہو ساغر
حسرتوں پہ نکھار دیکھا ہے



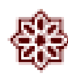
دکھ درد کی سوغات ہے دنیا تری کیا ہے
اشکوں بھری برسات ہے دنیا تری کیا ہے
کچھ لوگ یہاں نورِ سحر ڈھونڈ رہے ہیں
تاریک سی اک رات ہے دنیا تری کیا ہے
پابند مشیت ہے تنفس بھی نظر بھی
اک جزیۂ لمحات ہے دنیا تری کیا ہے
تقدیر کے چہرے کی شکن دیکھ رہا ہوں
آئینہ حالات ہے دنیا تری کیا ہے
مجروح تقدس ہے تقدس کی حقیقت
روداد خرابات ہے دنیا تری کیا ہے
ساغرؔ میں چھلکتے ہیں سماوات کے اسرار
ساقی کی کرامات ہے دنیا تری کیا ہے



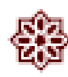
چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے
وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے
مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
میرے قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے
فراز عرش سے ٹوٹا ہوا کوئی تارا
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ بڑا اندھیرا ہے
ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے
جسے زبان خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سے پلاؤ بڑا اندھیرا ہے



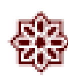
ایک مدت ہوئی اک زمانہ ہوا
خاک گلشن میں جب آشیانہ ہوا
زلف برہم کی جب سے شناسائی ہوئی
زندگی کا چلن مجرمانہ ہوا
پھول جلتے رہے چاند ہنستا رہا
آرزو کا مکمل فسانہ ہوا
داغ دل کے شہنشہ کے سکّے نہیں
دل کا مفلس کدہ جب خزانہ ہوا
راہبر نے پلٹ کر نہ دیکھا کبھی
راہرو راستے کا نشانہ ہوا
ہم جہاں بھی گئے ذوق سجدہ لیے
ہر جگہ آپ کا آستانہ ہوا
دیکھ مضراب سے خوں ٹپکنے لگا
ساز کا تار مرگ ترانہ ہوا
پہلے ہوتی تھی خوئے وفا پروری
اب تو ساغرؔ یہ قصّہ پرانا ہوا



چمن سے برق و شرر سے خطاب کرتا ہوں
شعور فکر و نظر سے خطاب کرتا ہوں
قدم قدم پہ کھلاتا ہوں گل معانی کے
جہان شمس و قمر سے خطاب کرتا ہوں
جبیں پہ سطوت الہام کے تقاضے ہیں
قلب و جگر سے خطاب کرتا ہوں
میں ایک مرد قلندر ، میں ایک دیوانہ
طلوع نور سحر سے خطاب کرتا ہوں
مزاج شبنم و لالہ سے بات ہے میری
نگاہ شعلہ نگر سے خطاب کرتا ہوں
نہ کارواں سے شکایت نہ رہنما سے کلام
غبار راہ گزر سے خطاب کرتا ہوں
ہر ایک گام پہ ہیں پتھروں کی دیواریں
سکوت اہل ہنر سے خطاب کرتا ہوں
بنام عظمت یزداں کبھی کبھی ساغرؔ
وقار حسن بشر سے خطاب کرتا ہوں

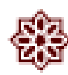


خیال ہے کہ بجھا دو یہ روشنی کے چراغ
کہ مستیوں کے جلائے ہیں بیخودی کے چراغ
چلو نگاہ کی مشعل کو ساتھ لے لے چلیں
فراز شوق پہ روشن ہیں آ گہی کے چراغ
روش روش پہ ہراساں ہیں چاند کی کرنیں
قدم قدم پہ سلگتے ہیں بیکسی کے چراغ
مچل رہے ہیں بہت سانپ آستینوں میں
بھڑک رہے ہیں ابھی شام راستی کے چراغ
چمک رہی ہے لڑی موتیوں کے سینے پر
جلائے کس نے یہ گلہائے شبنمی کے چراغ
اُچھال ساغرِ مئے دل بحال ہوں ساقی
کہ روشنی کو ترستے ہیں زندگی کے چراغ



عورت

اگر بزم انساں میں عورت نہ ہوتی
خیالوں کی رنگین جنت نہ ہوتی
ستاروں کے دل کش فسانے نہ ہوتے
بہاروں کی نازک حقیقت نہ ہوتی
جبینوں پہ نور مسرت نہ ہوتی
نگاہوں میں شان مروت نہ ہوتی
گھٹاؤں کی آمد کو ساون ترستے
فضاؤں میں بہکی بغاوت نہ ہوتی
فقیروں کو عرفان ہستی نہ ملتا
عطا زاھدوں کو عبادت نہ ہوتی
مسافر سدا منزلوں پہ بھٹکتے
سفینوں کو ساحل کی قربت نہ ہوتی
ہر اک پھول کا رنگ پھیکا سا ہوتا
نسیم بہاراں میں نکہت نہ ہوتی
خدائی کا انصاف خاموش رہتا
سنا ہے کسی کی شفاعت نہ ہوتی



شاعر

وقت کے تیروں سے چھلنی ہیں مرے قلب و جگر
فکر فردا میں گزرتے ہیں مرے شام و سحر
حادثے کرتے ہیں پرسش میرے حال زار کی
میں کہ پگڈنڈی ہوں جیسے وادئ پرخار کی
صورت رنج و الم ہے غم گسار زندگی
زندگی کو بھی نہیں ہے اعتبار زندگی
ٹھوکریں کھاتا ہے میرے گھر میں آ کر ماہتاب
درمیان عیش و عشرت میری ہستی ہے حجاب
لوگ فرزانہ سمجھتے ہیں مگر مدہوش ہوں
میں کلیم نور و نکہت ہوں مگر خاموش ہوں
میں وہ سجدہ ہوں جسے آدم کا سر تکتا رہا
میں وہ نالہ ہوں جسے سوز اثر تکتا رہا

مست نظر جوگی

او مست نظر جوگی

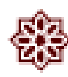
کب ظلمت ہستی میں تقریب سحر ہو گی
او مست نظر جوگی

اسرار بتا مجھ کو ہاتھوں کی لکیروں کا
تقدیر کے رانجھوں کا امید کی ہیروں کا
حالات کی نگری میں بدنام فقیروں کا
کب اجڑی ہوئی بستی پھولوں کا نگر ہو گی
او مست نظر جوگی

دے کوئی جواب آخر کچھ میرے سوالوں کا
تدبیر کے آشفتہ مجوع غزالوں کا
بے چین امنگوں کا بے باک خیالوں کا
ہم درد کے ماروں کی کیا یوں ہی بسر ہو گی
او مست نظر جوگی

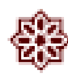
ہم جن کے لیے اپنی جنت کو مٹا بیٹھے
ہم جن کے لیے اپنی سطوت کو گنوا بیٹھے
ہم جن کے لیے اپنی عزت کو لٹا بیٹھے
کیا ان کو بھی یوں اپنے لٹنے کی خبر ہو گی
او مست نظر جوگی

آفات و الم گھر میں مہمان رہیں گے کیا؟
جاری یہ قیامت کے سامان رہیں گے کیا؟



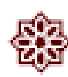
عید کا چاند

عید کا چاند ہے خوشیوں کا سوالی اے دوست
خوشیاں بھیک میں مانگے سے کہاں ملتی ہیں
دست سائل میں اگر کاسۂ غم چیخ اٹھے
تب کہیں جا کے ستاروں سے گراں ملتی ہیں
عید کے چاند ! مجھے محرم عشرت نہ بنا
میری صورت کو تماشائے الم رہنے دے
مجھ پہ حیراں ہیں اہل کرم ہونے دو
دہر میں مجھ کو شناسائے الم رہنے دو
یہ مسرت کی فضائیں تو چلی جاتی ہیں
کل وہی رنج کے ، آلام کے دھارے ہوں گے
چند لمحوں کے لیے آج گلے سے لگ جا
اتنے دن تو نے بھی ظلمت میں گزارے ہوں گے

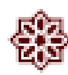


تاریک صدف

جھولیوں میں کوئلے پتھر کے اور مٹی کے روڑ
گا ہے گا ہے زندگی کے بے محل نشے کا توڑ
ٹوٹے پھوٹے آئنوں میں حسن فطرت کی جھلک
ہے غبار راہ سے ان کی جبینوں پر مہک
اجڑے اجڑے سے گریباں ویراں ویراں سے جمال
کوئلے سے لکھ دیئے کس نے ریاضی کے سوال
گیسوؤں میں گردش ایام کی سی الجھنیں
سانولے چہروں میں صبح و شام کی سی الجھنیں
اپنے لٹکے آنچلوں سے بے خبر دُھن میں رواں
ہونٹوں کی بھٹیاں یہ چائے خانوں کا دھواں



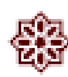
شام کے ڈھلکے ہوئے سائے مری جاگیر ہیں
چند آنسو ، چند تارے حاصل تقدیر ہیں
میں غزال صید بھی ہوں ، ترکش صیاد بھی
میں کہ شبنم کا جنم ہوں اور شعلہ زاد بھی
میں کبھی شام خزاں ہوں اور کبھی صبح بہار
ہنس کے کھا لیتا ہوں میں اکثر فریب روزگار
میری دنیا میں اجالے ، ظلمتوں کے پیشوا
موج میری کشتی کے لیے ہے ناخدا
میں صدف کی آرزو ہوں میں بگولے کا وجود
میری خاکستر سے روشن ہیں مقاماتِ شہود
پارسائی، زُہد و تقویٰ سے مجھے نسبت نہیں
لغزشوں کے جانچ لوں اتنی مجھے فرصت نہیں
عشق کے دہکے الاؤ کی گلابی آنچ ہوں
چبھ گیا روح الامیں کے پاؤں میں وہ کانچ ہوں
گھومتی رہتی ہیں دن بھر کوچہ و بازار میں
ایک حصّہ یہ بھی ہیں دنیا کے کاروبار میں
ان گرد و پیش لاکھوں داستانوں کا ہجوم
ان کے پتھر بن سکیں گے کیا کبھی ماہ و نجوم؟
ان کے دامن میں کوئی موتی نہیں تازہ نہیں
ان کی قسمت میں شبستانوں کا نظارہ نہیں
شہر سے کچھ دور ان کے جھونپڑے آباد ہیں



چل بصیرت کی عبا میں ایک تکمہ اور ٹانک
کارخانوں اور ملوں کے بند دروازوں میں جھانک
چند سکّوں کے لیے ہے بنت صحرا کا وقار
ان کے پہلو میں تصور اور خیالوں کا مزار
چار پیسے کی کھنک ان کے لیے پائل کا راگ
چھپ کے ٹھنڈی راکھ میں سوئے ہوئے ہیں ان کے بھاگ
ملگجے ملبوس ان کے بے نیاز رنگ و بو
کوئلوں کا ڈھیر ہے ان کی جوانی کا غرور
اک شرارہ پھینک دو سارا الاؤ جل اٹھے
اک ذرا گرمی سے آنکھیں ہی ملاؤ جل اٹھے
شام کے ڈھلتے ہوئے سائے جدھر جاتے ہیں دوست
ان کی تقدیروں کے مالک اس طرف آتے ہیں دوست

ایک پیکر

بکھرے ہوئے ہیں کالے گیسو
دل پر ڈسنے والے گیسو
گوری گوری کوَمل بانہیں
شام و سحر کی جلوہ گاہیں
پلکوں پر کجلے کے ڈورے
رنگ حنائی پورے پورے
ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم
آنکھوں میں اعجاز تکلم!
ماتھے چندا ٹھوڑی تارہ
چاک گریباں ذوق نظارہ
کانوں میں چاندی کے بالے
مدھ متوالے جوبن پیالے
ناگن سی چوٹی لہرائے
لمحے لمحے بس پھیلائے
امرت جل چرنوں کی دھونی
لمبی پلکیں ناک سلونی
زاھد کا ایمان سلامت
حاکم کا فرمان سلامت



انقلابِ وقت

ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے
راہزنی، غارت گری ، بیداد کی تشہیر ہے
عاقبت ہے سر برہنہ آبرو نخچیر ہے
نعرۂ حق و صداقت لائقِ تعزیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

ایک شب اجڑا کسی بابا کی بیٹی کا سہاگ
اڑ گئی پھولوں کی خوشبو ڈس گئے کلیوں کو ناگ
ظلمتوں میں سو رہے ہیں چاندنی راتوں کے بھاگ
آدمیت ان دنوں اک لاشۂ تقدیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

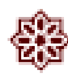
ایک بیچارے نے دم توڑا شفا گھر کے قریب
برق کے جھٹکے سے ٹھنڈا ہو گیا اک بدنصیب
لاریوں کی ٹکرّوں سے مر گئے کتنے غریب
آج ہر مظلوم کی فریاد بے تاثیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

اک محلّہ سے کسی لاڈلا گم ہو گیا
وائے قسمت ایک بوڑھے کا عصا گم ہو گیا
کارواں سے نغمۂ بانگ درا گم ہو گیا
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

چھن گئی مزدور کی پونجی بھرے بازار میں

اور مجرم ہو گئے مفرور فوراً کار میں
روز چھپتی ہیں بھیانک سرخیاں اخبار میں
دیکھیے اک خودکشی کی داستاں تحریر ہے
ایک یہ بھی انقلاب وقت کی تصویر ہے

زندگی کرتی ہے جرموں کی تجارت آج کل
چیختی ہے رہگذاروں پر شرافت آج کل
علم کے ماتھے پہ ہے داغ جہالت آج کل
آج بے نام و نشاں اسلاف کی توقیر ہے
ایک یہ بھی انقلاب وقت کی تصویر ہے

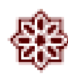


میرے وطن کے رہنماؤ

میرے وطن کے رہنماؤ!
اک ایسا آئین بناؤ
جس میں ہو صدیقؓ کی عظمت
جس میں ہو عثمانؓ کی عقیدت
جس میں ہو فاروقؓ کی جرأت
جس میں ہو حیدرؓ کی شجاعت
مٹ جائیں ظلمات کے گھاؤ
اک ایسا آئین بناؤ

طارقؓ کی تدبیر ہو جس میں
خالدؓ کی تقدیر ہو جس میں
مجنوںؒ کی زنجیر ہو جس میں
قرآں کی تاثیر ہو جس میں
ملت کے جذبات جگاؤ
اک ایسا آئین بناؤ
عقل و خرد کی آنکھ کا تارا
طوفاں میں مضبوط کنارا
مفلس اور نادار کا پیارا
جہد و عمل کا بہتا دھارا
فکر و نظر کی شمع جلاؤ

اک ایسا آئین بناؤ
سر توڑے جو مغروروں کا
ساتھی ہو جو مجبوروں کا!
دارِ ستم کے منصوروں کا
محکوموں کا مجبوروں کا!
چل نہ سکے زردار کا داؤ
اک ایسا آئین بناؤ
خدمت انداں کام ہو جس کا
فیض سخاوت عام ہو جس کا
کام فقط اسلام ہو جس کا
شان سلف پیغام ہو جس کا
وقت کے پرچم کو لہراؤ
اک ایسا آئین بناؤ



میرے وطن

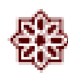
جان فردوس ہیں تیرے کوہ و دمن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
تجھ پہ صدقے ہے تن تجھ پہ قربان ہے من
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیرے دریاؤں میں ہیں سفینے رواں
اے مقام جہانگیر و نورجہاں
تیرا ہر قریہ ہے گلستاں بوستاں
تیرے کانٹے بھی ہیں مجھ کو غنچہ دہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیرے چک اور گاؤں ارم زاد ہیں
کھیتیاں آسمانوں کی بنیاد ہیں
تیرے دیہات تقدیس آباد ہیں
تیرے نغمے نئے اور ساز کہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

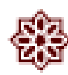
تجھ میں لاہور ہے، تجھ میں ملتان ہے
تو کہ وارث کا روشن قلم دان ہے
تو بلوچوں پٹھانوں کا قرآن ہے
تو کہ ایمان کے چاند کی ہے کرن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیری آغوش میں ہے قلندر کا در



پاکستان کے سیاستدان

گرانی کی زنجیر پاؤں میں ہے
وطن کا مقدر گھٹاؤں میں ہے
اطاعت پہ ہے جبر کی پہرہ داری
قیادت کے ملبوس میں ہے شکاری
سیاست کے پھندے لگائے ہوئے ہیں
یہ روٹی کے دھندے جمائے ہوئے ہیں
یہ ہنس کر لہو قوم کا چوستے ہیں
خدا کی جگہ خواہشیں پوجتے ہیں
یہ ڈالر میں آئین کو تولتے ہیں
یہ لہجہ میں سرائے کے بولتے ہیں
ہے غارت گری اہل ایمان کا شیوہ
بھلایا شیاطین نے قرآں شیوہ
اٹھو نوجوانو! وطن کو بچاؤ!
شراروں سے حدِّ چمن کو بچاؤ



آئین بنایا جائے گا

سنتا ہوں وطن میں اک ایسا آئین بنایا جائے گا
دکھ درد کے مارے لوگوں کی قسمت کو جگایا جائے گا
پھولوں کی طبیعت بدلے گی ، شاخوں پہ ترانے مہکیں گے
احساس نظر کی دولت کو ذرّوں میں لٹایا جائے گا
پُر نور جبینوں کی خاطر پابند حیا ہو جائے گی
عرفان صداقت کی ضو کو سینوں میں بسایا جائے گا
مجروح سکوں صحراؤں میں سچ مچ کے شگوفے جاگیں گے
محبوس تلاطم ناؤ کو ساحل سے لگایا جائے گا
کہتے ہیں کہ جس کے پینے سے سرشار معیشت ہوتی ہے
وہ جام تمنا ہونٹوں سے ہنس ہنس کے لگایا جائے گا

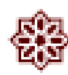
پاکستان کے تئیس سال

بیت چکے ہیں تئیس سال
گونگا ماضی اندھا حال
اجڑے پنچھی ٹوٹی ڈال
پھیلے ہیں انجانے جال
بیت چکے ہیں تئیس سال

عزم سے خالی ہے دستور
جہد و عمل کی منزل دور
شمع قیادت ہے بے نور
گلشن میں پھولوں کا کال
بیت چکے ہیں تئیس سال

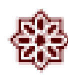
عقل و فراست ہیں بیمار
فکر و نظر وائے بیکار
دیدۂ وحشت ہے بیدار
لرزاں ہے ہمت کی ڈھال
بیت چکے ہیں تئیس سال

بھاری ہیں ہم پر اغیار
بھولے طارقؒ اور ضرارؓ
نغمۂ وحدت سے سرشار
ملت کی عظمت کے لال
بیت چکے ہیں تئیس سال



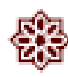
عزیز بھٹی شہید کے بیٹے کے نام

پھول گلشن میں کھلیں تیری لطافت کے لیے
مسکرائے چاندنی تیری محبت کے لیے
تو نہال سر فروشی کا درخشندہ ثمر
جگمگائے بزم ہستی تیری عظمت کے لیے
ہر طلوع صبح نو تیرے ہمکنے کی ادا
تو ہو اک روشن ستارہ شام ظلمت کے لیے
اے کہ فرزند شجاعت ، غنچۂ فصل بہار
تیرے ہونٹوں کی ہنسی محسن ہو فطرت کے لیے
تیرا ملکوتی تبسم ! آبروئے انتقام
تیری غوں غوں رجز ہو اک قوم و ملت کے لیے
تیرے ننھے ننھے بازو تیرے ننھے ننھے ہاتھ
ہوں سدا پرچم کشا انساں کی عظمت کے لیے



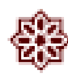
۶ ستمبر کے گمنام شہید

چھ ستمبر کے شہید
فتح و نصرت کی نوید
اک جہان آرزو!
اک نشانِ آرزو
پردۂ عثمانؓ تم
صدیقؓ کا ایمان تم
تم عمرؓ کا ولولہ
اور علیؓ کا غلغلہ
تم ہو شمشیر حسینؓ
تم ہو تفسیرِ حسینؓ
تم وطن کے پاسباں
کامیاب و کامراں
تم رسالتؐ کے چراغ
تم قیادت کے ایاغ
صبح بطحا کی کرن
نازشِ قوم و وطن
قوم کے لختِ جگر
فاتحان بحر و بَر
کوہ سے ٹکرا گئے
ظلمتوں پر چھا گئے



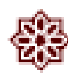
سرور شہید

بج رہا تھا نیند کا دل کش رباب
سج گیا اک آن میں ایوان خواب
جگمگاتی ہے تقدس کی بہار
دیکھتا کیا ہوں فرشتوں کی قطار
حسن یزداں سے منور ہے جبیں
حور و غلماں کے لبوں پر آفریں
چل رہے ہیں نور کی شمعیں لیے
جلوہ گاہ طور کی شمعیں لیے
یک بیک اک قبر پر آ کر رُکے
فاتحہ پڑھنے کو تعظیماً جھکے
تھیں فضائیں دور تک جلوہ نگار
جھلملایا روشنی کا اک مزار
آسمانوں سے مجھے آئی نوید
زندہ باد اے مدفن سرور شہید



عزیز بھٹی شہید

یہ مزار عزیز بھٹی ہے
اس پہ رحمت سدا برستی ہے
ذرہ ذرہ ہے سجدہ گاہ وفا
خاک مرقد تجلیوں کی ردا
لوح تربت شجاعتوں کی سند
گوشۂ خلد گل بدوش لحد
حور و غلماں دعائیں پڑھتے ہیں
باغ جنت کے پھول چڑھتے ہیں
شان بازوئے حیدریؓ کا چلن
ملک و ملت کا جاں نثار سجن
کفر و باطل کی توڑ کر یلغار
دے گیا ایک منزل بیدار
اس کی سرشار جرأتوں کو سلام
اس کی بیداد عظمتوں کو سلام



شامی شہید

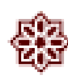
زندہ و پائندہ ہیں شامی شہید
خاک مرقد باب جنت کی کلید
ایک پیکر جرأت بیدار کے
مثل تھے فولاد کی دیوار کے
جور باطل کی اداؤں پر ہنسے
آگ برساتی فضاؤں پر ہنسے
روبرو کانٹوں کے سینہ کر دیا
نذر ناموس مدینہ کر دیا
ان کی تربت ہے وطن کی آبرو
اک مسلماں کے چلن کی آبرو

لیلیٰ خالد

اے فلسطیں کی دلہن
تیرا زیور جرأتوں کا بانکپن
تیری شہنائی سلاسل کی چھنن
تیرا کاجل ہے دھواں بارود کا
تیری مہندی بن گئی خاک وطن
اے فلسطیں کی دلہن

ہے تری بارات میدان دغا
تیری ڈولی، تیرا محمل مورچہ
ہے شہادت رسم ایجاب و قبول
توپ کا گولہ، مبارک کی صدا
تیرا سہرا گولیاں ہیں اور گن
اے فلسطیں کی دلہن

ہے اسیری سے تری ملت ملول
زخم تیری سیج کے رنگین پھول
لیلیٰ پستول کی کاکل کا خم
غازۂ رخسار ہے وادی کی دھول
تیرا جھومر ہے شجاعت کا چلن
اے فلسطین کی دلہن

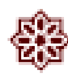


ماپ پارے قیام کرتے ہیں
منزل کامگار تھا گجرات
مغلیہ دور کے گلستاں کی
جگمگاتی بہار تھا گجرات
شہر گجرات کے حسیں برتن
چین و ایران بھیجے جاتے تھے
شہر گجرات کی حسیں گلیاں
جن میں رقص بہار دیکھا ہے
سادہ مٹی کے برتن میں یہاں
ذوق پروردگار دیکھا ہے
ہلکے ہلکے صراحیوں کے بدن
جیسے پریاں ارم سے آئی ہیں
یا کوئی آیتیں تقدس کی
اذن لے کے حرم سے آئی ہیں

زخمی مجاہد کی التجا

خالدؓ و ضرارؓ کے جذبات سے سرشار ہوں
کفر و باطل کے لیے فولاد کی دیوار ہوں
میں ہوں خنجر کی چمک ، میں تیغ کی جھنکار ہوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
کوئی للکارے مری غیرت کو ہے کس میں مجال
میرا سینہ ، میرے بازو سنگ و آہن کی مثال
میں ہوں دنیا میں امین پرچم نجم و ھلال
جانب ظلمات اک توحید کی یلغار ہوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
میں نے صحراؤں میں تپتی ریت کو ٹھنڈا کیا
میں درس فصل گل دشت و بیاباں کو دیا
فرض کی مے کو شجاعت کے پیالے میں پیا
میں مسلماں قوم کا اک فرد شعلہ بار ہوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
فاتح تاریخ عالم غازئ اسلام ہوں
وارث تنظیم آدم غازئ اسلام ہوں
خادم شبیرؓ و قاسمؓ غازئ اسلام ہوں
سامراجیت کے سر پر گونجتی تلوار ہوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
دشمن دیں کو رعونت کا چکھانا ہے مزا

بزدلوں کو کار ذلت کا چکھانا ہے مزا
ظالموں کو ان کی فطرت کا چکھانا ہے مزا
میں جہاں میں آپ اپنے وقت کا مختار ہوں
میں محاذ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
زخم ہیں میرے لیے غنچے ، مرے گھاؤ ہیں پھول
چوٹ کھا کر مسکرانا میری فطرت کا اصول
ملک و ملت کے لیے جام شہادت ہے قبول
میں فضائے آتشیں میں صورت گلزار ہوں
میں محاذ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں
پھر مجھے جنت بلاتی ہے اجازت دیجیے
یہ گھڑی قسمت سے آتی ہے اجازت دیجیے
دل کی دھڑکن مسکراتی ہے اجازت دیجیے
میں حصار وقت میں اک جاگتا کردار ہوں
میں محاذ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہوں



ضربِ محمود

امتحان آن پڑا ہے تو کوئی بات نہیں
ہم سو بار زمانے کے بھرم توڑے ہیں

ضربِ محمود ابھی زندہ و پائندہ ہے
ہم نے بت خانۂ دوراں کے صنم توڑے ہیں

جاگتی قوم کو للکار کے چھپنے والو
ارجن و بھیم کے کردار کی توہین ہو تم

دیدۂ وقت کو دیتے ہو فریبِ جمہور
خرمنِ امن میں اک شعلۂ رنگین ہو تم

تم نے سمجھا تھا کہ سویا ہے وہ مردِ آہن
جس کی للکار سے میدان دہل جاتے ہیں

اس کی شفاف جبیں پر جو ذرا گرد پڑے
انقلاباتِ زمانے کے سنبھل جاتے ہیں

قوتِ لشکرِ اسلام کو جھیلو تو سہی
بھول پنچۂ حیدر سے الجھ بیٹھے ہو

تند موجوں کے شناور سے ملائی ہے نظر
خاک اور خون کے خوگر سے الجھ بیٹھے ہو

کفر سے دست و گریباں ہی رہیں گے ساغر
امن کی مشعلِ روشن کے امیں ہم ہی تو ہیں

ہم سے آزادئ احساس و نظر ہے منسوب
آسماں جس کو پکارے وہ زمیں ہم ہی تو ہیں

الفتح کا ایک مجاہد

اے مقدس سر زمیں تیری قسم!
تو نہیں تو زندگی بے نور ہے
تیرے بیٹوں کی جبینوں کے لیے
تیرا ہر ذرہ چراغ طور ہے
تجھ سے دل کی دھڑکنیں مخمور ہیں
تجھ سے تابندہ ہے قلب آرزو
چھین لیں گے ایک دن اغیار سے
تیری گلیوں کی سلگتی آبرو
دل کے چھالوں کی بنا کر گولیاں
توپ اور بندوق لے کر آئیں گے
ظلم کے پرزے اڑانے کے لیے
درۂ فاروقؓ لے کر آئیں گے

اقصیٰ

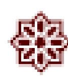
گنبد مسجد اقصیٰ کی ضیاء واپس لو
اپنے اسلاف کی عظمت کی ذرا واپس لو

آ رہی ہے یہ فضاؤں کی صدائے جوہر
قصر ایمان کی پر نور ضیاء واپس لو

پھر اٹھو خالدؓ و ضرار و عبیدہؓ بن کر
سطوت عہد عمرؓ بہر خدا واپس لو

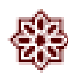
توڑ دو دستِ ستم درۂ فاروقیؓ سے
پنجۂ جبر سے آئین وفا واپس لو

اس سے پہلے کہ اتر آئے زمیں پر سورج
اپنی بے تاب جبینوں کا صلہ واپس لو



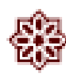
ترانہ

جیو سرفروشو! جیو جاںنثارو
جبینِ عطن کے چمکتے ستارو!
ملی ہے تمہیں شہرتِ جاودانہ
شجاعت کی دنیا میں تم ہو یگانہ
جیو سنگ و آہن کی تسخیر کارو
جیو سرفروشو! جیو جاںنثارو
خدا نے سکھائی تمہیں رزم گاہی
تمہی موجِ توحید کے ہو سپاہی
روایاتِ اسلام کے شہ پارو
جیو سرفروشو! جیو جاںنثارو
نگہبانِ ناموسِ حیدر تمہی ہو
سرِ بحرِ ہستی شناور تمہی ہو
گلستانِ ملت کی ہنسی بارو
جیو سرفروشو! جیو جاںنثارو
تمہی سے ہے بیدار الفت وطن میں
تمہی سے ہے آباد جنت وطن میں
وطن کی حقیقت کے پروردگارو
جیو سرفروشو! جیو جاںنثارو



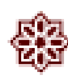
ترانہ

انتخاب آرزو ہیں فتح و نصرت کے چراغ
ہیں فروزاں خون دل سے ملک و ملت کے چراغ
پھر بنام طارقؒ و خالدؓ ذرا روشن کریں
ظلمتوں کی آندھیوں میں عزم و جرأت کے چراغ
ان میں مضمر ہے تجلّی جلوہ گاہ بدر کی
بجھ نہیں سکتے کبھی راہ شجاعت کے چراغ
جھلملاتی ہیں صدائیں جگمگاتی ہے فضا
غیرت شمس و قمر ہیں اپنی ہمت کے چراغ
مسکراتے ہیں رہیں گے گلشن توحید میں
اپنی سطوت کو شگوفے اپنی عظمت کے چراغ
ہم نے ساغر وقت کی تاریخ کو زندہ کیا
راہ انساں میں جلائے ہم نے خدمت کے چراغ



منزل کامگار تھا گجرات

اے فضل شاہ تیرے دوہوں میں
داستان حیات ملتی ہے
حسن کی دل گداز بانہوں میں
عشق کی کائنات ملتی ہے
شہر گجرات بر کنار چناب
مغلیہ دور کی نشانی ہے
اسی وادی کے دم سے وابستہ
حسن اور عشق کی کہانی ہے
لوگ اس وادیٔ محبت کے
علم و عرفاں کا تاج رکھتے ہیں
حسن پرور سلوک تھے ان کے
عاشقانہ مزاج رکھتے ہیں
زندگی سے رَچے گلی کوچے
جن میں شرفائے وقت رہتے ہیں
کشتیوں کے جلو میں تنکے بھی
موج ہستی کے ساتھ بہتے ہیں
مسجدون کے بلند مینارے
آسمانوں کی بات کرتے تھے
اہل دانش یہاں اشاروں میں
دو جہانوں کی بات کرتے ہیں



ترانہ

الجہاد و الجہاد و الجہاد
کامیاب و کامگار و کامران و بامراد
جاگ اٹھا ہے اخوت اور فراست کا نظام
عظمت افلاک سے ارض وطن ہے ہم کلام
وادیٔ کشمیر سے آئی صدائے انتقام
پھونک دو سوز عمل سے ظلم کے ناموس و ناد
الجہاد و الجہاد و الجہاد
بڑھ چلیں جور و ستم بیداد کی من مانیاں
ہم نہ ہونے دیں گے گلشن پر شرر افشانیاں
ہم عدم کی جستجو ہم سے ازل سامانیاں
ہم کو رکھے گی نوشتہ کی طرح تاریخ یاد
الجہاد و الجہاد و الجہاد
اے فضاؤں کے دلیرو! فاتحان بحر و بَر!
جن کے بازو جن کے چہرے غیرت شمس و قمر
رزم گاہ کربلا پھر ہے تمہاری منتظر
دست حیدر کو ملی اللہ سے تحسین و داد
الجہاد و الجہاد و الجہاد